گھریلو تشدد بل کا شرعی جائزہ

Sharī'ah Review of Domestic Violence Bill

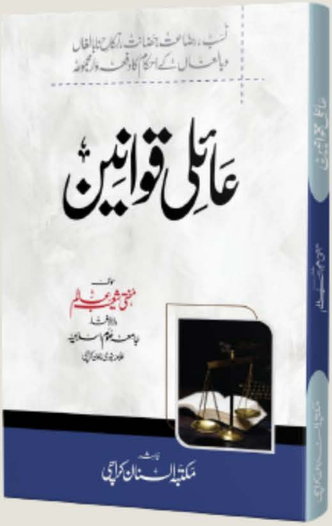
تالیف

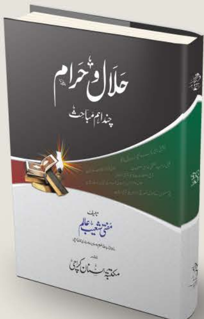
مفتی شعیب عالم

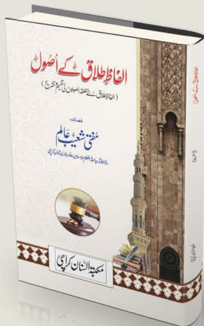
دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی



مکتبۃ السنان کراچی













مکتبۃ السنان کراچی

تفصیل کتاب

نام کتاب : گھریلو تشدّد بِل کا شرعی جائزہ

مؤلف : مفتی شعیب عالم

استاذ و نائب مفتی دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کراچی

ڈائریکٹر و شریعہ ایڈوائزر :

Sanha Halal Associates Pakistan Pvt Ltd

ڈیجیٹل اشاعت : باراول 1444ھ،2023ء

ناشر

مکتبۃ السنان کراچی

گھریلو تشدد

(تدارک و تحفظ ایکٹ 2020ء)

کا

شرعی جائزہ

Sharī’ah Review of
"The Domestic Violence (Prevention and Protection) Bill, 2020”

تالیف

مفتی شعیب عالم

دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ السنان کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

پیش لفظ

گھریلو تشدد (تدارک و تحفظ) ایکٹ، 2020ء کا موضوع گھریلو تشدد کی روک تھام ہے اور اس کا مقصد ایک ساتھ رہنے والے افراد کو ایک دوسرے کے تشدد سے بچانا ہے۔ ''گھریلو تشدد'' کے لفظ سے ذہن اندرون خانہ مار پیٹ، زدوکوب کرنے، دوسرے کے جسم پر طاقت کے بے جا استعمال اور کسی پر تشدد کارروائی کی طرف جاتا ہے۔ اس مفہوم میں تشدد شرعاً حرام، قانوناً جرم اور اخلاقاً ظلم ہے اور کوئی بھی ہوش مند اور انصاف پسند اس معنی میں تشدد کے جواز کا قائل ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کے انسداد کے لیے کسی قانون کے جواز کا انکار کرسکتا ہے مگر بِل میں تشدد کا لفظ بہت ہی وسیع اور آزاد خیال معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کے مفہوم کو اس قدر عام کر دیا گیا ہے کہ معمولی قول و فعل یہاں تک کہ طرز عمل، برتاؤ اور رویے کو بھی مستوجب عقوبت قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ یہ ایک ایسا بِل بن گیا ہے جو حسن معاشرت اور حسن اخلاق کی خلاف ورزی پر بھی کڑی سزا دیتا ہے۔

تشدد کا ضرور سد باب ہونا چاہیے اور شریعت نے اس کے انسداد کا طریقہ کار بھی تجویز کیا ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی فعل یا ترکِ فعل شرعاً بھی تشدد ہو۔ اس بِل میں جس وسیع معنی میں کسی فعل کو تشدد قرار دیا گیا ہے وہ خود ایک تشدد ہے اور قانون ساز ادارہ تشدد کے خاتمے کے لیے متشدِدانہ قانون وضع کر بیٹھا ہے۔ یہی اس بِل کا سب سے قابِل اعتراض

پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تشدد کی تعریف مغربی اداروں سے لی گئی ہے اور سوچے سمجھے بلکہ شاید پڑھے بغیر اسے من وعن یہاں لاگو کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر تشدد کے خاتمے کے لیے بِل اس قدر آگے چلا گیا ہے کہ انصاف کو مساوات پر قربان کر بیٹھا ہے حالانکہ مساوات کی تو روح اور غرض وغایت ہی انصاف ہے۔ دوسرے تشدد کے محض امکان کو واقعی تشدد قرار دے دیا ہے اور تیسرے یہ کہ جج کو یکطرفہ موقف پر سزا دینے کا حق دے دیا ہے اور سزائیں ایسی کڑی اور سخت رکھی گئی ہیں کہ مظلوم کی حمایت میں بِل خود ظالم بن گیا ہے۔ اگر کسی کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تردد ہو تو وہ تشدد کی تعریف اور عدالت کی طرف سے تجویز کردہ عبوری اور مستقل احکام کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ سخت اور کڑی سزاؤں کے باوجود تشدد کے خلاف بِل کی جو مجموعی اسکیم ہے وہ کھلی آنکھوں ناکام ہوتی نظر آتی ہے کیونکہ بِل اس مفروضے پر قائم ہے کہ خاندان محض معاشی کفالت کا ادارہ ہے اور ہمارے ہاں خاندان کے متبادل ادارے موجود ہیں۔ یوں پوری بصیرت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس کا اجراء ممکن ہی نہیں ہے اور یہ کہنا بھی ہرگز بے جا نہیں ہے کہ پورا کا پورا بِل مغربی ہے اور ایک درآمد شدہ قانون کو یہاں کے مذہب، تہذیب وثقافت، روایات واقدار اور زمینی حقائق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بزور وجبر نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

جس طرح ''تشدد'' کے لفظ سے اس قانون میں تشدد کا متعارف اور رائج مفہوم مراد نہیں ہے اسی طرح ''گھریلو تعلق'' کا مطلب بھی وہ نہیں لیا گیا ہے جو اس سے سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے بھی ایک اجنبی مفہوم پہنا دیا گیا ہے۔ اس اجنبی اور غیر مانوس مفہوم میں بِل حقیقی رشتہ داروں کی طرح ان غیر شادی شدہ جوڑوں کو بھی تحفظ اور حقوق دیتا ہے جو ایک ساتھ رہتے ہوں یا کسی وقت رہ چکے ہوں۔

گھریلو تشدد کا یہ بِل ابھی مسودہ کی شکل میں ہے۔ پہلے یہ قومی اسمبلی سے منظور ہوا، اور پھر سینیٹ میں پیش ہوا، سینیٹ نے اس میں کچھ ترامیم تجویز کیں، جس کے بعد یہ بِل توثیق کے لیے دوبارہ قومی اسمبلی لوٹ آیا ہے۔ اب اگر قومی اسمبلی سینیٹ کی تجویز کردہ ترامیم سے اتفاق کر لیتی ہے تو یہ بِل ایکٹ (قانون) کی شکل اختیار کر لے گا اور دارالحکومت اور اس کی حدود میں نافذ ہوجائے گا مگر چاروں صوبوں میں اس نوع کے قوانین پہلے ہی نافذ ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے صوبوں کی حد تک نافذ قوانین کی شرعی حیثیت بھی معلوم ہوجائے گی کیونکہ موضوع، غرض وغایت، احکام کے بیان اور ضابطہ جات کے پہلو سے سب میں یکسانیت ہے۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ زبان وبیان، اختصار اور تفصیل یا صوبہ جات کی مقامی ضرورت کی حد تک کا ہے مگر چونکہ یہ بِل صوبہ جات کے قوانین کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے اور ان کی خصوصیات کو سموئے ہوئے ہیں بلکہ کچھ اضافی مندرجات پر مشتمل ہے، اس لیے تبصرے اور تجزیے کے لیے اس کو منتخب کیا گیا ہے، یوں اس کی تحسین ان سب کی تحسین اور اس پر تنقید ان سب پر تنقید ہے۔

کتاب کے مباحث کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ پہلے باب میں مجوزہ قانون کے مندرجات ومشمولات، ٹرائل کے طریقہ کار اور بِل کی قانونی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا باب بِل کے شرعی تجزیے پر مشتمل ہے جو کتاب کا اہم باب ہے۔ تیسرے باب میں چند ایسے شرعی احکام کی وضاحت کی گئی ہے جن کی اس بِل میں کثرت سے خلاف ورزی کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سے عاجزانہ دعا ہے وہ قلب کی کجی اور قلم کی لغزش سے محفوظ رکھے اور اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم

شعیب عالم
دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

باب اوّل

بِل کے مندرجات و مشمولات

فصل اول : بِل کی اہم دفعات

1-تمہید،ابتدائیہ اور اختتامیہ

یہ بِل تمہید، ابتدائیہ اور اختتامیہ سمیت پانچ حصوں اور پچیس دفعات پر مشتمل ہے۔ تمہید میں بِل کی ضرورت، ابتدائیہ میں بِل کے نام، وسعت اور آغازِ نفاذ کا بیان ہے جب کہ اختتامیہ میں بِل کے اَغراض ووجوہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

2-دائرہ کار

اس بِل کا دائرہ کار ان لوگوں کو تشدد سے محفوظ رکھنا ہے جو کسی تعلق کی وجہ سے ایک ساتھ رہتے ہوں یا کسی وقت ایک ساتھ رہ چکے ہوں، خواہ وہ تعلق شرعی ہو یا غیر شرعی ہو۔

3-تعریفات

دفعہ 2 میں اصطلاحات کی وضاحت کے بعد دفعہ 3 میں تشدد کی تعریف ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ تشدد صرف جسمانی نہیں بلکہ جذباتی، جنسی، نفسیاتی اور معاشی بھی ہوسکتا ہے۔ جسمانی تشدد یہ ہے کہ کسی کو جسمانی ضرر اور تکلیف دی گئی ہو اور اس میں مجموعہ تعزیرات پاکستان کے باب سولہ الف، سترہ، بیس اور بیس الف میں مذکور تمام جرائم بھی شامل ہیں۔ ان ابواب

میں حبس بے جا، مداخلت بے جا، جبر مجرمانہ، حملہ، لے بھاگنا، زنا، خلافِ وضع فطری عمل، مال کے متعلق جرائم، دغا، فریب، نقصان رسانی، ازدواج کے متعلق جرائم اور خاص عورتوں کے متعلق جرائم وغیرہ شامل ہیں۔

زبانی، جذباتی اور نفسیاتی تشدد کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ہتک آمیز یا ذلت آمیز برتاؤ اور طرزِ عمل کا نام ہے مثلاً کھل کر بے عزتی کرنا، مذاق اڑانا، حسد یا رقابت میں مسلسل مبتلا رکھنا، طلاق کی دھمکی دینا، پیچھا کرنا، حراساں کرنا، دانستہ یا غیر دانستہ پر خبر گیری نہ کرنا وغیرہ۔ مقننہ نے اس مقام پر جذباتی، زبانی اور نفسیاتی تشدد کے مابین فرق کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا ہے۔ جنسی تشدد میں جنسی نوعیت کا کوئی عمل شامل ہے جس سے دوسرے کی تذلیل یا تحقیر ہوتی ہو یا اس کے وقار اور احترام کے خلاف ہو۔ معاشی تشدد کسی کو ایسے مالی ذرائع سے محروم کرنا یا اس تک رسائی میں رکاوٹ بننا ہے جس کا وہ کسی قانون یا رسم و رواج کے تحت استحقاق رکھتا ہو۔

عبوری اور حتمی عدالتی احکام

جو شخص تشدد کا شکار ہو وہ عدالت میں درخواست دے سکتا ہے۔ درخواست کی وصولی پر عدالت مدعی علیہ کو طلب کرے گی۔ اس دوران مدعی کو مشترکہ گھر میں رہنے کا حق ہوگا اگرچہ اس کا اس گھر میں کوئی حق نہ ہو۔ وہ کسی پناہ گاہ یا این جی او کے پاس بھی رہ سکتا ہے یا پھر مدعی علیہ اس کے لیے متبادل رہائش کا بندوبست کرے یا اس کا کرایہ ادا کرے، مدعی چاہے تو اپنے کسی دوست کے ساتھ بھی سکونت اختیار کر سکتا ہے۔ عدالت کو اطمینان ہو کہ تشدد ہوا ہے یا اس کا امکان ہے تو وہ مدعی کے حلف نامے یا کسی بھی دیگر مواد کی بناء پر حکم تحفظ، حکم رہائش، مالی امداد، حکم تحویل اور معاوضہ کے احکامات جاری کر سکتی ہے۔

حکم تحفظ

حکم تحفظ سے مراد یہ ہے کہ مدعی علیہ مدعی سے دور رہے یا ایک مخصوص فاصلے پر رہے، مزید تشدد کا ارتکاب یا اس میں مدد واعانت نہ کرے، کسی بھی ذریعے سے مدعی سے رابطہ نہ رکھے، اسے ٹریکر پہنا دیا جائے، خود گھر سے بے دخل اور مدعی کو گھر یا اس کے کسی حصے سے بے دخل نہ کرے، مدعی کو کسی شے کا قبضہ دینے میں پریشان نہ کرے، مدعی علیہ کے رشتہ دار اس گھر میں داخل نہ ہوں، مدعی علیہ ضمانت یا بغیر ضمانت عدالت کو مچلکہ تحریر کر کے دے۔ مدعی کی اشیاء یا املاک کا قبضہ اگر لیا ہو تو اسے واپس کرے وغیرہ۔

مالی امداد

عدالت مالی امداد کا بھی آرڈر دے گی مگر اس تک محدود پھر بھی نہیں ہے کہ مدعی علیہ نے یا اس کے بچے نے جو نقصانات اٹھائے یا اخراجات برداشت کئے وہ ادا کرے، معاوضہ دے، آمدنی کا نقصان پورا کرے اور طبّی خرچ ادا کرے، اس کی جائیداد کو کوئی نقصان پہنچایا یا تلف کیا تو تلافی کرے، اس کے بچے کا نان ونفقہ ادا کرے اور یہ سب ایک مخصوص مدت میں ادا کرے ورنہ ناکامی کی صورت میں عدالت مدعی علیہ کی اجرت یا تنخواہ یا قرضوں میں سے یا بینک یا کسی مالیاتی ادارے میں پڑی رقم سے یا اس کو واجب الحصول رقم میں سے خود وصول کرلے گی جس کو بعد میں مدعی علیہ پر واجب مالی امداد میں سے مجرا کر دیا جائے گا۔

حکم تحویل ومعاوضہ

عدالت کو حق ہوگا کہ متاثرہ شخص اگر بالغ ہے تو اس کی مرضی کے مطابق اس کو کسی موزوں شخص یا اتھارٹی کی تحویل میں دے دے۔ اگر بچہ ہے تو گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ کے تحت کسی شخص یا سروس فراہم کنندہ کی تحویل میں اسے دے دیا جائے گا۔ حکم معاوضہ سے مراد

یہ ہے کہ عدالت مدعی علیہ کو حکم دے گی کہ تشدد کے فعل کے ارتکاب سے متاثرہ شخص کو جو ضرر پہنچا ہے جس میں ذہنی اور جذباتی ایذاء رسانی بھی شامل ہے اس کا معاوضہ اور ہرجانہ مدعی کو ادا کرے۔

یہ سب عبوری احکامات ہیں اور عدالت صرف متاثرہ شخص کے تصدیقی بیان پر یعنی یکطرفہ موقف پر یہ نتیجہ اخذ کرسکتی ہے کہ مدعی علیہ نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے خلاف عبوری احکامات دیے جاسکتے ہیں۔ جب مقدمے کی سماعت اختتام پذیر ہوجائے تو پھر عدالت حتمی سزا سناتی ہے۔آگے مقدمے کی کاروائی کی ضمن میں سزاؤں کا بیان آتا ہے۔

ادارے اور محکمہ جات

اس بِل کی تشدد کے خلاف جو مجموعی اسکیم ہے اس میں کچھ اداروں کا ذکر ہے جن میں حفاظتی کمیٹی، حفاظتی افسر، سروس فراہم کنندہ اور مجسٹریٹ وغیرہ کا ذکر ہے۔اب بِل میں ان کے کردار کا مختصر تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

1-تحفظ کمیٹی

اس کی تشکیل وزارت انسانی حقوق کرے گی اور یہ خاندانی تحفظ کے نمائندے، قومی حیثیت خواتین کمیشن کے نمائندے، ایک طبّیب یا ماہر نفسیات یا نفسیاتی و سماجی کارکن، افسر قانون اور ایک پولیس افسر جو انسپکٹر کے عہدے سے کم کا نہ ہو، پر مشتمل ہوگی۔ یہ متضرر شخص کی قانونی رہنمائی، طبّی امداد، رہائش کی فراہمی، گھریلو واقعات اور سروس فراہم کنندہ کی تفصیلات برقرار رکھے گی۔

2-افسران تحفظ

ان کا تقرر بھی وزارت انسانی حقوق کرے گی اور تحفظ کمیٹی ان کی معاونت کرے گی۔

ان کا کردار رابطہ کار کا ہے اور یہ متاثرہ شخص اور عدالت، سروس فراہم کنندہ اور پولیس کے درمیان انٹرفیس ہوتا ہے۔ یہ مزید تشدد کو روکتا ہے، ایک حفاظتی پلان بناتا ہے اور عدالتی احکامات کی تعمیل کراتا ہے۔ متاثرہ شخص کو قانونی اور طبّی اور رہائش کی سہولت میں مدد دیتا ہے۔ گھریلو واقعات کا ریکارڈ رکھتا ہے اور اس کی نقل قومی حیثیت برائے خواتین کمیشن کو بھیجتا ہے۔

3-سروس فراہم کنندہ

سروس فراہم کنندہ سے مراد متضرر شخص کے تحفظ کے لیے قانونی، طبّی، اور مالیاتی یا کوئی بھی دیگر معاونت فراہم کرنے کے لیے کوئی سرکاری سہولت یا قائم کردہ رجسٹرڈ رضا کارانہ تنظیم مراد ہے اور اس میں پناہ گاہیں بھی شامل ہیں۔ عدالت اور تحفظ کمیٹی ان کی معاونت حاصل کرے گی اور انہیں تحفظ کمیٹی جیسے استحقاقات حاصل ہوں گے۔ قانونی، طبّی، مالیاتی اعانت کے علاوہ ان کے فرائض گھریلو واقعات کی رپورٹ بنانا اور اسے افسر تحفظ اور تحفظ کمیٹی کو بھیجنا وغیرہ ہیں۔ سروس فراہم کنندہ سے چونکہ رجسٹرڈ کوئی تنظیم مراد ہے اور اس کا مقصد بھی عدالت کی معاونت کرنا ہے، اس لیے صاف ظاہر ہے کہ عدالت میں ان کے ریکارڈ کی صداقت ہوگی اور جمع کردہ رپورٹ مستند شمار ہوگی۔

4-عدالت

آخری اور اہم ادارہ مجسٹریٹ کی عدالت ہے۔ اس سے مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت مراد ہے اور جج کو مجموعہ ضابطہ فوجداری کے تحت تمام اختیارات حاصل ہوں گے اس میں تحفظ دینے، خرچہ، معاوضہ یا ہرجانہ دینے جیسے احکام شامل ہیں۔ مجسٹریٹ کو متاثرہ شخص یا اس کا کوئی نمائندہ یا کوئی سرکاری یا غیر سرکاری تنظیم یا پولیس یا حفاظتی افسر میں سے کوئی درخواست دے سکتا ہے اور درخواست پر عدالت مدعی کے بیان حلفی پر مدعی علیہ کے خلاف پروٹیکشن آرڈر، ریزیڈنس آرڈر، مانیٹری ریلیف، تحویل اور معاوضہ کا حکم جاری کر سکتے ہیں۔

فصل دوم : دادرسی کا طریقہ کار

بِل کے تحت ریلیف حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ:

1–متاثرہ شخص خود یا اس کا مجاز نمائندہ یا خدمت فراہم کنندہ یا پولیس افسر یا افسر تحفظ یا کوئی بھی شخص جو معقول وجہ کی بنیاد پر سمجھتا ہو کہ تشدد ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا ہونے کا امکان ہے وہ تشدد کے خلاف درخواست دے سکتا ہے۔

2–یہ درخواست پولیس، حفاظتی کمیٹی، حفاظتی افسر، سروس فراہم کنندہ اور مجسٹریٹ میں سے کسی کو بھی دی جا سکتی ہے۔ درخواست اس عدالت میں دی جائے گی جس کے اختیار سماعت میں مدعی رہتا ہو یا جہاں آخری مرتبہ مدعی اور مدعی علیہ اکھٹے رہے ہوں۔

3–درخواست ملنے کے بعد متاثرہ شخص کو اس کے حقوق سے آگاہ کیا جائے گا مثلاً یہ کہ وہ مالی اور طبّی امداد، رہائش، حکم تحفظ، معاوضہ اور ہرجانہ اور حکمِ تحویل وغیرہ حاصل کر سکتا ہے۔

4–عدالت کو درخواست موصول ہونے کے بعد مقدمہ قائم ہوگا اور عدالت سماعت کی تاریخ مقرر کرے گی جو درخواست موصول ہونے کی تاریخ سے سات دن سے زیادہ نہ ہوگی۔

5–درخواست کی وصولی کے بعد عدالت مختار ہوگی کہ اگر اس کی نظر میں درخواست

سے یہ انکشاف ہوتا ہو کہ تشدد کا ارتکاب ہوا ہے یا قرین قیاس ہے کہ تشدد ہو سکتا ہے تو مدعی کے حلفیہ بیان یا کسی دیگر مواد یا شہادت کی بناء پر عبوری حکم جاری کر سکتی ہے اور متعلقہ تھانے کے افسر انچارج کو ہدایت جاری کر سکتی ہے کہ وہ عدالتی احکامات کی تعمیل کرائے اور متضرر شخص یا اس کی جانب سے درخواست دینے والے شخص کو تحفظ دے اور معاونت کرے۔

6- عدالت مدعی علیہ کو اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کرے گی اور نوٹس کی وصولی کے سات کے دن اندر اس سے جواب طلب کرے گی کہ کیوں نہ اس کے خلاف حکم تحفظ جاری کر دیا جائے۔عدالت اس مقدمے کو نوّے دن کے اندر نمٹانے کی کوشش کرے گی۔

7- مدعی علیہ کی جانب سے عدالتی حکم کی خلاف ورزی ایک جرم ہوگی جس پر اسے ایک سال تک سزائے قید اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کیا جائے گا جو مدعی کو ادا کیا جائے گا۔عدالت کے جانب سے عائد کردہ عبوری احکام اس وقت تک لاگو رہیں گے جب تک متضرر شخص مذکورہ احکام کو منسوخ کرنے کے لئے درخواست نہ دے دے البتہ اگر عدالت درخواست کی وصولی کے بعد کسی مرحلے میں یہ اطمینان رکھتی ہے کہ حالات میں تبدیلی ہو چکی ہے تو وہ مقدمے کی فریقین میں سے کسی کی درخواست پر کوئی حکم جاری کر سکتی ہے،اسی طرح حکم رہائش نافذ رہے گا جب تک کہ عدالت کی جانب سے تبدیل نہ کر دیا جائے۔اگر عدالت سابقہ حکم منسوخ بھی کر دے مگر مدعی علیہ کو پھر بھی تازہ درخواست داخل کرنے کا حق ہوگا۔

8- مقدمے کی سماعت مکمل ہونے کے بعد اگر جرم ثابت ہو جائے تو اگر ارتکاب شدہ جرم پی پی سی (PPC) کے تحت آتا ہو تو اسی کے تحت اسے سزا دی جائے گی اور اگر اس کے تحت نہ آتا ہو تو زیادہ سے زیادہ تین سال اور کم از کم چھ ماہ کی سزا دے گی اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور کم سے کم بیس ہزار روپے متضرر شخص کو تلافی کے طور پر بھی ادا کیا جائے گا۔جرمانے کی

ادائیگی سے قاصر ہونے پر عدالت تین ماہ کی قیدِ محض دے سکے گی۔ جو کوئی گھریلو تشدد کے جرم کے ارتکاب کرنے میں مدد یا اعانت کرتا ہو تو وہ بھی اسی سزا کا مستوجب ہوگا۔

9- عدالت کے حکم سے متاثر کوئی بھی شخص سیشن عدالت میں تیس یوم کے اندر اپیل داخل کر سکتا ہے اور سیشن عدالت ساٹھ یوم کے اندر اپیل پر فیصلہ کرے گی جب کہ عدالت کے حتمی فیصلے سے متاثر کوئی شخص عدالت کے حتمی فیصلے کے دس دن بعد سیشن عدالت میں اپیل داخل کر سکتا ہے۔

10- اس بِل کے اغراض کے لیے نیک نیتی سے کیے گئے عمل پر کسی بھی حفاظتی کمیٹی، حفاظتی افسر یا خدمت فراہم کرنے والوں کے خلاف کوئی بھی مقدمہ، استغاثہ یا دیگر قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ عدالت جب کوئی حکم صادر کرے گی تو مذکورہ حکم کی ایک نقل، درخواست کے فریقین کو، متعلقہ پولیس اسٹیشن کے افسر انچارج کو نیز عدالت کے اختیار سماعت کی مقامی حدود کے اندر واقع سروس فراہم کنندہ کو دی جائے گی۔

فصل سوم : قانونی خوبیاں اور خامیاں

قانونی خصوصیات

1– اس بِل کی بنیاد آئین کا آرٹیکل 25 ہے جو قرار دیتا ہے کہ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی حق دار ہیں اور محض جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا اور مملکت عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے کوئی خاص اہتمام کر سکتی ہے۔ آرٹیکل 9 اور 14 میں بھی اس کی اصل ہے جو فرد کی، شرف انسانی اور اس کی حرمت اور وقار کے تحفظ بارے میں ہیں۔

2– پاکستان میں مسئلہ قوانین کی قلت کا نہیں بلکہ ایسے طریقہ کار کے فقدان کا ہے جس کے ذریعے اس قانون پر مؤثر عمل درآمد ہو سکے۔ اس خامی پر قابو پانے کے لیے بِل کے اندر ہی ایک میکانزم کو جگہ دی گئی ہے اور ایک ڈھانچہ تشکیل دے دیا گیا ہے۔

3– یہ بِل بہت سے عہدے اور منصب بھی تشکیل دیتا ہے اور ساتھ ہی ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کو بھی بیان کرتا ہے۔ حفاظتی کمیٹی کے نام سے ادارہ اور حفاظتی افسر کے عنوان سے دفتر قائم کیے گیے ہیں۔ غیر سرکاری اداروں مثلاً این جی اوز اور نسوانی حقوق کی تنظیموں کو بھی بِل میں کردار دیا گیا ہے اور حکومت پر بھی قانون امداد، طبّی سہولیات، مالی اخراجات، شیلٹر

ہوم اور پناہ گاہوں کی صورت میں ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔اس کے ساتھ ان اداروں کو مربوط اور منظم کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

4–قانون تک رسائی کو بہت آسان رکھا گیا ہے اور طریقہ کار بھی سادہ اور غیر فنی ہے۔متاثرہ شخص بذات خود ورنہ اس کا کوئی نمائندہ ورنہ کوئی بھی شخص جس کے پاس یہ باور کرنے کی وجہ ہو کہ تشدد ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا ہونے جا رہا ہے وہ پولیس،حفاظتی افسر،حفاظتی کمیٹی یا سروس فراہم کنندہ یا مجسٹریٹ سے رابطہ کر سکتا ہے۔عدالت تک براہ راست رسائی کی وجہ سے اب ضرر رسیدہ شخص کو پولیس یا پراسیکیوشن پر انحصار نہیں کرتا پڑتا ہے۔

5–یہ ایک سول قانون ہے جو بیک وقت دیوانی اور فوج داری ہے۔یا یوں تعبیر کر لیں کہ نظریے میں دیوانی اور عمل میں فوج داری ہے۔دیوانی قانون کا مقصد متاثرہ فریق کو ریلیف فراہم کرنا ہوتا ہے جب کہ فوج داری قانون میں مجرم کو سزا دینا مقصود ہوتا ہے۔اس بِل میں یہ دونوں ہی پہلو موجود ہیں۔ایک خاص حد تک بِل دیوانی خطوط پر استوار ہے مگر جوں ہی حکمِ تحفظ یا مجسٹریٹ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو فوج داری مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔بِل کے تحت جرائم قابِل دست اندازی پولیس اور قابِل ضمانت اور قابِل راضی نامہ ہیں اور افسران کے نیک نیتی سے کیے گیے افعال کو استثنٰی حاصل ہے اور وہ سرکاری ملازم شمار ہوں گے۔

6–سول قانون کے ساتھ اپنے مزاج میں یہ ایک سیکولر قانون ہے جن ممالک میں اس نوع کا قانون وضع ہوا ہے وہاں اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تشدد کو خواہ کسی بھی نام اور عنوان سے ہو اور زبانی اور جذباتی اور نفسیاتی ہی کیوں نہ ہو،انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور ہر قسم کے تشدد سے پاک گھرانہ فرد کا حق ہے۔

7-بل میں تشدد کو بہت وسیع معنی دیے گیے ہیں اور اس میں ضرر رسیدہ شخص خصوصا ایک خاتون کے متعلق ہر امکان کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک ساتھ رہنے والوں کو ہر رشتے میں تحفظ دیتا ہے خواہ وہ رشتہ غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہی کیوں نہ ہو۔

8-بل اس حد تک ضرر رسیدہ شخص کے حق میں ہے کہ بناء دعوی کے ساتھ ہی اسے ملزم کے گھر میں رہائش کا حق مل جاتا ہے اگر چہ وہ اس میں کوئی حق نہ رکھتا ہو اور صرف اس کے بیان پر یکطرفہ طور پر عدالت اس کے حق میں احکام جاری کر سکتی ہے۔

فصل چہارم: قانونی عیوب و نقائص

1– اس بِل میں بڑی خامی یہ ہے کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔اس کے بعد یہ بحث بے معنی رہ جاتی ہے کہ قانون ساز ادارہ کوئی قانون تشکیل دے رہا ہے اورسیڈا (CEDAW) کی توثیق کے بعد وہ اس جیسے قانون کی تشکیل کی اور بین الاقوامی دباؤ کے سامنے مجبور ہے۔

2– شریعت کے علاوہ یہ بِل آئین کے بھی خلاف ہے۔آئین کے ذریعے کاروبار مملکت چلایا جاتا ہے مگر قوانین کا سرچشمہ بھی آئین ہے اور قانون سازی کا رخ بھی وہی متعین کرتا ہے اور اسی کے ذریعے قوانین کی صحت کی جانچ ہوتی ہے۔دستوری جواز سے محرومی کی وجہ سے یہ بِل عوام پر نا قابِل نفاذ ٹھہرتا ہے۔اس بِل کے خلاف شریعت اور خلاف دستور ہونے پر باب سوئم میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

3– قانون کے پیچھے اصول قانون اور اصول قانون کے پیچھے نظریہ زندگی ہوتا ہے۔ اس بِل کے پیچھے مغربی نظریہ زندگی، مغربی تصور قانون اور مغربی تصور حقوق ہے۔مغربی نظریات وتصورات، مغربی روایات واقدار اور مغربی تہذیب وثقافت کی وجہ سے اس کے نفاذ کا اصل میدان مغربی معاشرہ ہے۔یہاں کے معاشرے میں اس کا نفاذ ''داءِ مشرق کا دوائے مغرب سے'' اور ''نسخہ بیرون سے مرض اندرون'' کا علاج ہے۔

4-اس طرح کا قانون دنیا میں مختلف ناموں سے متعارف ہے مثلاً (spouse abuse)شریک حیات سے بدسلوکی،(partner abuse)دوست اور ساتھی کے ساتھ بدسلوکی،(marital discord)ازدواجی جھگڑا(marital discord) ازدواجی اختلاف (women abuse)خواتین کے ساتھ بدسلوکی وغیرہ مگر مغربی معاشرے میں بھی اس کے نتائج کوئی حوصلہ افزا نہیں ہیں۔مستند اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ تشدد کے خلاف قوانین کے منظوری کے بعد معاشرہ اور زیادہ تشدد پر اتر آیا ہے حالانکہ وہاں کوئی قانون عوامی ضرورت کے تحت،رائے عامہ کی طلب اور مضبوط سیاسی عزم کے ساتھ نافذ کیا جاتا ہے اور قانون کے مؤثر نفاذ کے لیے مضبوط اور مربوط انتظامی ڈھانچہ تشکیل دیا جاتا ہے اور ریاست صرف قانون کی تشکیل اور اعلان پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ عمل درآمد کے لیے مطلوبہ مہیا کرتی ہے اور قانون کی پشت پر پوری ریاستی مشینری اپنی پوری قوت کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔

5-پاکستان کے قیام کے بعد عورتوں کے فلاح و بہبود اور انہیں بااختیار بنانے کے لیے کئی قانون بنائے گئے اور انہیں صنفی حساس رویے کے ساتھ منظور کیا گیا مگر ان کے نتائج بھی کوئی حوصلہ افزا نہیں ہیں۔امتناع جہیز ایکٹ،شادی بیاہ کی رسوم پر پابندی،غیرت یا سیاہ کاری کے نام پر قتل،سوارہ،ونی،چولہا پھٹنے کے واقعات،ہتک عزت سے متعلق قانون، وغیرہ کتنے ہی ایسے قوانین ہیں جو ہمارا منہ چڑا رہے ہیں۔اگر اس بِل سے پہلے ان قوانین کی خامیوں اور ناکامی کی وجوہات کو مدنظر رکھ لیا جائے تو ملک وملت کے مفاد میں بہتر قانون سازی ہوسکتی ہے ورنہ اس قانون کو صرف کاغذی کارروائی ہی کہا جائے گا اور یہ قانون صرف قانون کی کتاب میں محفوظ رہے گا۔

6- قانون سازی اگر عوامی ضرورت اور رائے عامہ کی بنیاد پر ہو اور حکمرانوں کے دل سے آئی ہو تو عوامی سطح پر اس کا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور عوام میں سند قبولیت حاصل کر لیتا ہے لیکن اگر وہ بیرونی جبر اور دباؤ کے تحت ہو تو اپنے نفاذ بلکہ اپنی تشکیل سے پہلے ہی وقعت کھو دیتا ہے اور نتیجہ ناکامی اور قانون کی بے احترامی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس بِل پر جس قدر سنجیدہ طبقات اور عوامی حلقوں کی جانب سے تنقید ہوئی ہے اس کے بعد یہ قانون شکمِ مادر ہی میں فوت ہو گیا ہے۔

7- اس تنقید کے عوامل جہاں یہ ہیں کہ بِل شریعت سے متصادم، معقولیت سے عاری، منطقیت سے خالی اور خاندانی نظام پر ضربِ کاری ہے وہاں اس کے محرکات بھی ہدفِ تنقید ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بین الاقوامی اداروں کا دباؤ ہے، این جی اوز کا پروپیگنڈہ ہے، نسوانیت کی تحریک ہے، مغرب سے مرعوبیت اور اس کی کورانہ تقلید ہے اور اپنے اقدار و روایات سے ناواقفیت یا اس پر عدمِ اطمینان ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا باعث یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے ارکان پارٹی پالیسی کے پابند ہوتے ہیں اور پارٹی کی ایماء پر قانون کی حمایت میں ہاتھ کھڑے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اگرچہ ان کا قلب و ضمیر مطمئن نہ ہو۔

8- قانون سازی ایک مربوط اور منظم طریقہ کار کا نام ہے جس میں جہاں یہ ضروری ہے کہ خود قانون تضاد سے پاک ہو وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ دیگر قوانین سے اس کا تصادم نہ ہو۔ اس بِل کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ موجودہ پرسنل لاء کو تبدیل نہیں کرتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کرتا ہے اور اس کا مقصد فوری اور ہنگامی قسم کی ریلیف ہے جس کے بعد متاثرہ شخص دیگر قوانین کے تحت ریلیف حاصل کر سکتا ہے مگر عملاً یہ دیگر پرسنل لاز کو شدید متاثر کرتا ہے جن میں قانون نفقہ، قانون حضانت، قانون ولی بچگان وغیرہ سرفہرست ہیں۔ پرسنل لاز کا مقصد خاندان کے ادارے کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہوتا ہے جب کہ یہ قانون خاندان کے تار و پود

بکھیر دیتا ہے۔اب اس بِل کا کسی دیگر قانون سے تناقض ملاحظہ کیجیے مثلاً ایک شخص اپنی داشتہ کے ساتھ ایک مکان میں رہتا ہے پھر داشتہ کے خلاف کسی ایسے فعل کا ارتکاب کر دیتا ہے جس کی وجہ سے داشتہ کو اس قانون کے تحت بناء دعوی حاصل ہو جاتی ہے۔اب اس قانون کے تحت اس کی داشتہ اس سے معاوضہ اور نان ونفقہ اور رہائش کا مطالبہ کرے گی دوسرے طرف اس پر زنا کا مقدمہ چلے گا۔

9- دیگر قوانین سے متصادم ہونے کے علاوہ اپنے آپ میں بھی یہ بِل تضادات کا شکار بلکہ اس کا شاہ کار نظر آتا ہے۔بِل کا رشتہ اخلاق سے بالکل کاٹ دیا گیا ہے مگر بداخلاقی مستوجب سزا بھی ہے۔حقوق دیتا بھی ہے اور سلب بھی کرتا ہے۔مساوات کو قائم کرتا ہے مگر مساوات کی روح جو کہ عدل ہے اسے قربان کر دیتا ہے۔

10- اس بِل کے تحت متاثرہ خاتون کی طرح متاثرہ مرد بھی دادرسی طلب کر سکتا ہے مگر بِل میں مردوں کا ذکر محض اعتراضات سے بچنے اور معاملے کو معتدل کرنے کے لیے ہے۔حقیقت یہ ہے کہ بِل کا واضح میلان اور جھکاؤ عورت کی طرف ہے۔اس وجہ سے بِل صنفی تعصب اور امتیازی رویے پر مبنی ہے اور اسے پرو ویمن اور اینٹی مین قانون کہا جا سکتا ہے۔

11- بِل میں بہت زیادہ الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جن کا مطلب مبہم اور غیر واضح ہے۔الفاظ کی جامع اور مختصر وضاحت کر کے اس خامی کو دور کیا جا سکتا تھا۔

12- بِل عدم برداشت کو فروغ دیتا ہے اور بے جا اور غیر ضروری قانونی کارروائی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور خاندان کی بنیاد پر حملہ کرتا ہے۔اس بِل کے تحت کوئی بھی شکایت درج کر سکتا ہے مگر اس کا اصل رخ خواتین کی طرف ہے اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ تشدد ہر گھر کا معمول ہے اور مرد ہی تشدد کا مرتکب ہوتا ہے اور خاتون ہی واحد شکار ہوتی ہے اور خاتون ہمیشہ جائز شکایت لے کر آتی ہے۔

13- بِل جوڑ کے بجائے توڑ، محبت کے بجائے نفرت، جھکنے کے بجائے جھکانے، ماننے کے بجائے منوانے، رفیق کے بجائے فریق اور حلیف کے بجائے حریف بننے پر زور دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا بِل ہے جو ایک ہی گھرانے کے افراد کو ایک دوسرے کے مقابِل لا کھڑا کر دیتا ہے۔ گھر کے افراد میں مقدمہ بازی شروع ہونے کے بعد ممکن ہی نہیں کہ گھر کے دیگر افراد غیر جانبدار رہیں اور ان میں تقسیم نہ ہو اور گھر کا سکون اور اطمینان فوت نہ ہو۔

14- اس بِل کا ایک اور نقصان اس صورت میں سامنے آئے گا کہ ناخدا ترس خواتین شوہروں سے اور نافرمان اولاد اسے والدین کو تنگ کرنے یا انہیں سبق سکھانے یا ان سے ناجائز مطالبات منوانے کے لیے استعمال کریں گے۔ بے ضمیر عورتیں اس کی وجہ سے سسرال سے انتقام لے سکتی ہیں اور نافرمان بیویاں اس کی وجہ سے طلاق کا عمل آسان بنا سکتی ہیں۔ الغرض قوی اندیشہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کا سہارا لے کر قریبی رشتہ داروں کو بلیک میل کیا جائے گا۔

15- یہ درست ہے کہ مشترکہ گھرانے کے افراد ایک دوسرے پر حقوق رکھتے ہیں مگر وہ حقوق ماں، بہن، بیوی، بیٹی، اولاد یا والدین وغیرہ رشتوں کی وجہ سے ملتے ہیں۔ اس بِل کا مخمصہ یہ ہے کہ ایک شخص ان رشتوں کی وجہ سے تمام حقوق کا مستحق تو ہے مگر ان رشتوں سے وابستہ ذمہ داریوں میں سے کوئی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوتی ہے۔ اگر معاملہ صرف اس قدر ہوتا تو تلخ ہی سہی پھر بھی گوارا کیا جا سکتا تھا مگر اس سے بھی سنگین تر یہ ہے کہ متاثرہ شخص کے حق کے نام پر دوسرے کے بنیادی حقوق ہی سلب کر لیے گیے ہیں۔

16- اس بِل کا مقصد ایک ساتھ رہنے والے افراد کو ایک دوسرے کی بدسلوکی سے تحفظ دینا ہے مگر اپنے دائرہ کار میں یہ اس جوڑے کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے جو اگرچہ میاں بیوی نہ ہوں مگر کسی وقت ساتھ رہے ہوں۔ غیر شادی شدہ جوڑوں کا ایک ساتھ رہنا مغرب

ممالک میں قابلِ قبول ہوسکتا ہے مگر ہمارے ہاں تو اس کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔افسوس ہے کہ مقننہ غیر شرعی تعلقات کو بھی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے رشتوں کے مساوی قرار دے رہی ہے بلکہ تحفظ دینے کے جوش میں اسے قانونی جواز بھی فراہم کر رہی ہے۔مزید ستم یہ ہے کہ اس سخت معیوب تعلق کی وجہ سے بجائے سزا دینے کے اسے حقوق کے حصول کی بنیاد قرار دیا جارہا ہے۔جیسا کہ بیان ہوا کہ اس سے ایک عجیب تضاد سامنے آئے گا۔ایک طرف اگر عورت اقرار کرتی ہے وہ ایک گھر میں فلاں کے ساتھ رہتی رہی ہے یا رہ رہی ہے تو اس کے خلاف قانون غیر شرعی تعلق کی وجہ سے مقدمہ چلایا جائے گا، دوسری طرف یہ قانون اسے اجنبی مرد سے رہائش، امداد اور کفالت فراہم کرے گا۔یہ ان حقیقی رشتوں کی توہین ہے جو اپنا مقام اور عزت واحترام رکھتے ہیں۔

17-بِل گھریلو تنازعات کو بھی عدالت کے ذریعے حل کرتا ہے۔جرم کو قابلِ راضی نامہ ضرور قرار دیا گیا ہے مگر مصالحت اور صلح وصفائی کے کسی طریقہ کار کو بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ بِل ایسی کسی کوشش کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔تصور کیجیے کہ جب گھر گھر کی کہانیاں عدالت کی چوکھٹ تک پہنچے گی اور بدخلقی اور بدتمیزی کے مقدمات بھی جب عدالتی ہتھوڑے کے ذریعے حل کیے جائیں گے تو وہ حل ہوں گے یا مزید پیچیدہ اور الجھ جائیں گے؟ ایک طرف توہین، تحقیر اور تذلیل کی وجہ سے لوگوں کو عدالت اور تھانہ کچہری کا راستہ دکھایا جارہا ہے دوسری طرف عصمت دری کی شکار خواتین میں سے مشکل سے پانچ فیصد ایسی ہوں گی جن کو انصاف ملتا ہے۔

18-ایک طرف عدالتوں کو ضروری عملہ اور وسائل دستیاب نہیں ہیں۔عام تاثر یہ بھی ہے کہ سرکاری اداروں نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔عدالتوں کو تو یہ بھی شکوہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے کام کے بوجھ سے دبی چلی جارہی ہیں۔دوسری طرف یہ بِل عدالت کو خاص مدت میں

فیصلے کا پابند بناتا ہے حالانکہ تجربہ یہ ہے کہ گھریلو اور خاندانی معاملات ہمیشہ وقت طلب ہوتے ہیں۔

19- این جی اوز کو رضا کارانہ تنظیموں کے الفاظ سے دخل دیا گیا ہے مگر ریاست کی طرف سے ان کے لیے کیا قواعد ہیں؟ تاحال یہ واضح نہیں ہے۔ طبّی سہولیات کے متعلق قیاس یہ ہے کہ سرکاری ہسپتالوں سے فراہم کی جائیں گی مگر ان کی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ ہے۔ قانون نے شیلٹر ہوم اور پناہ گاہوں کے نام تو گنوا دیے ہیں مگر آبادی کے تناسب سے وہ دستیاب بھی ہیں اور ایک خاتون وقار کے ساتھ وہاں رہ سکتی ہے؟ ایسے کسی منظم انفراسٹرکچر اور ان کی کارکردگی کا ہمیں علم نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ اس بِل پر امید کے سہارے اپنے لیے گھر میں گنجائش ختم کر دیں گے اور پھر باہر کے بھی نہ رہیں گے۔

20- صدیوں سے شوہر، بھائی اور والد عورت کے محافظ رہے ہیں مگر اب پولیس، مجسٹریٹ، تحفظ افسر اور این جی اوز کو ان کا محافظ قرار دیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کے حوالے کرنے سے اسے رشتہ داروں کے ظلم سے نجات مل جائے مگر اقارب کا ظلم زیادہ سے زیادہ ڈانٹ ڈپٹ اور تذلیل کی شکل میں ہوگا مگر ان نام نہاد پروٹیکشن افسران، وکلاء، پولیس اور این جی اوز کے حوالے کرنے سے وہ کس کس نوع کے ظلم کا شکار ہو سکتی ہیں، تحریر میں ان کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں اور پھر اس قانون کا اصل فائدہ حقیقی متاثرہ خواتین کو نہیں بلکہ متمول خواتین کو ہوگا جو اپنے تئیں حساس ہوتی ہیں، اسی طرح شہری خواتین قانونی دفعات کا سہارا لے کر شوہر اور سسرال کو ہراساں کریں گی۔

21- متاثرہ شخص کب تک ریلیف حاصل کرنے کے لیے آ سکتا ہے، اس بارے میں وقت کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اگر وہ ایک عرصہ بعد شکایت درج کرتا ہے تو کیا اسے ایک مسلسل جرم کے طور پر دیکھا جائے گا؟

22- مجسٹریٹ مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ایک بیان حلفی پر سزا اور احکامات جاری کرسکتا ہے مگر اس ثبوت کی قانونی قدر و قیمت کیا ہوگی؟ بِل اس سے خاموش ہے۔ قانون اس سے پہلے تفتیش کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہے۔ زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ متاثرہ شخص کی واحد گواہی یا اس کے بیان حلفی پر مجسٹریٹ یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ دفعہ فلاں کے تحت جرم ہوا ہے اور اسی وقت وہ عبوری احکامات جاری کرسکتا ہے جو بڑے سخت نوعیت کے ہیں۔

23- عورت اس بِل اور فیملی کورٹ دونوں سے ریلیف حاصل کرسکتی ہے۔ یہ دوہرا نظام اس کے لیے قانونی کارروائی کو مزید پیچیدہ بنا سکتا ہے۔

24- بِل مغربی معاشرے کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ خاندان صرف معاشی کفالت کا ادارہ ہے اور اس کے متبادل ادارے ہمارے پاس موجود ہیں اور بچہ گویا ریاست کی ملکیت ہے اور گھر کا سربراہ کفالت نہ کرے تو تعلیم و تربیت، غذائی بندوبست اور مستقبل کی ضروریات کے لیے ریاست موجود ہے۔ کیا یہ محض مفروضہ ہے یا حقیقت ہے؟

باب دوم

شرعی تجزیہ و تحلیل

شرعی تجزیہ و تحلیل

بِل کا پورا متن کتاب کے آخر میں دے دیا گیا ہے، اس لیے طوالت سے بچنے کے لیے پورا متن نقل کرنے کے بجائے اس کے جستہ جستہ اقتباسات مستطیل خانوں میں پیش کیے جاتے ہیں، جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں اختصار یا قدرے تفصیل کے ساتھ شرعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

نام اور عنوان

گھریلو تشدد (روک تھام اور تحفظ) کا بِل Domesticviolence Bill,2021(prevention and protection

گھریلو تشدد کا انسداد اور اس سے تحفظ...... کس قدر مسحور کن، خوشنما اور پرکشش عنوان ہے......! اگر نگاہ صرف عنوان تک محدود رہے تو ذہن میں قانون سازوں کی ایسی تصویر اُبھرتی ہے جو اپنی عظمت میں اَفلاک کو چھوتی نظر آتی ہے۔ بھلا کون سنگدل ہوگا جو صنفِ نازک پر تشدد کو روا رکھتا ہوگا!؟ آبگینے توڑنے، پھول مسلنے اور کچلنے کے لیے تھوڑے ہوتے ہیں۔ بقول شخصے: اللہ تعالیٰ نے اتنی نفاست کے ساتھ یہ نازک مخلوق اس لیے نہیں پیدا کی ہے کہ انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔

مگر یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، بنانے والے نے اُسے ”متاع الغرور“ کہا ہے، یہاں ضروری نہیں ہے کہ جو شے جیسی دِکھائی دے رہی ہے یا دِکھائی جا رہی ہے، حقیقت میں

بھی ویسی ہو۔ بسا اوقات حقیقت کہانیوں سے مختلف نکلتی ہے۔ خوبصورت چہرے کے پیچھے بھیانک باطن چھپا ہوا ہوتا ہے۔ نرم و نازک اور لطیف نظر آنے والا پھول بجائے خوشبو کے بدبو دیتا ہے۔ بقول مومن ؎

ظاہر بہت حسیں ہے باطن گھناؤنا
پچھتایئے گا آپ مجھے مت خریدیئے

اور بقول شوکت تھانوی ؎

دھوکا تھا نگاہوں کا مگر خوب تھا دھوکہ
مجھ کو تری نگاہوں میں محبت نظر آئی

بِل کے نام میں شروع کا جو حصہ ہے، گھریلو تشدد (Domestic violence) وہ وہی ہے جو مغرب اور مغربی ادارے استعمال کرتے ہیں۔ گھریلو تشدد کے موضوع پر وہاں دوست سے بدسلوکی، شریک حیات سے بدسلوکی، ازدواجی تنازع وغیرہ کے نام سے بھی قوانین رائج ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے نام ان کی ثقافت کے عکاس اور ان کے احوال اور خیالات کے ترجمان ہوتے ہیں۔

نام کے آخری حصے کے الفاظ ''روک تھام اور تحفظ'' (Prevention and protection) ایسے ہیں کہ عورتوں کے لیے کشش رکھتے ہیں، مگر کہیں مغربی عورت کی طرح ہماری عورتوں کے خواب، سراب ثابت نہ ہوں اور وہ کعبے کے شوق میں صنم خانے نہ جا نکلیں۔ مغربی عورت کی مظلومیت کی ایک بڑی وجہ وہاں کے فلسفیوں کے وہ سحر انگیز خواب ہیں جو انہوں نے عورت ذات کو دکھائے ہیں۔ عورت کا بھی المیہ رہا ہے کہ وہ ہر اس خیال اور رائے کے لیے جان تک دینے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے جو اس کی جذباتی فطرت کو متحرک کردے۔ اس کی طبّیعت میں واقعیت کی جگہ جذباتیت، آفاقیت کے بجائے مقامیت اور

دقت کی جگہ سطحیت ہے، اس میں مردوں کے مقابلے میں اثر پذیری کی صفت زیادہ ہے، اس وجہ سے حسین لفظوں، خوشنما نعروں اور دلکش وعدوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتی ہے۔ شاطروں نے ہمیشہ عورت کی اس انفعالی صفت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کے سامنے فصحاء کی فصاحت، بلغاء کی بلاغت اور حکماء کی حکمت مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔ انہوں نے ایک بلیغ جملے کے ذریعے اس جیسی مساعی کی خوب قلعی کھولی ہے: ''كلمة حق أريد بها الباطل'' یعنی بات تو سچی ہے، مگر اس سے مقصد برا لیا گیا ہے۔

آج کی دنیا الفاظ کے جادو سے کام لیتی ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو مسحور کرکے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو معطل کرنا چاہتی ہے۔ آزادی، مساوات، حقوقِ نسواں، آزادیِ نسواں اور عورتوں کے حقوق جیسی اصطلاحات کے پیچھے یہی فلسفہ کارفرما ہے۔ دراصل حقوق کے نام پر ان کی نسوانیت کا خون کیا جائے گا، جیسا مغرب میں ہوا ہے۔ پہلے انہیں خاندانی حصار سے نکالا جائے گا اور پھر شکار کرلیا جائے گا، بالکل ایسے ہی جیسے معصوم بچوں کو بردہ فروش کھلونے دکھا کر پہلے گھر سے باہر بلاتے ہیں اور پھر اغوا کرلیتے ہیں۔ نقصان صرف ان کی صنفی صفات کا نہیں ہوگا، بلکہ دین و مذہب بھی انہیں قربان کرنا ہوگا، کیونکہ مغرب کی آزادی کی تحریک صرف چادر اور چادر دیواری سے نکلنے کی نہیں ہے، بلکہ پورے دین سے آزادی کی تحریک ہے۔ یہ بِل خالص مغربی ہے، جسے من وعن یہاں نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس بِل کے بنیادی مفروضوں کی نشاندہی کے لیے ہمیں غواصی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سطح پر چلتے ہوئے بھی ہم اسے تلاش کرسکتے ہیں۔ بِل کے اختتامیہ میں ہے کہ اس کی بنیاد ''CEDAW'' پر ہے جو'' Convention on the Elimination of All

Forms of Discrimination Against Women'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب ''خواتین کے خلاف تمام اشکال کے امتیازات کے خاتمے پر اجلاس'' ہے۔

''CEDAW'' کی بنیاد حقوقِ نسواں کی تحریک پر ہے اور حقوق نسواں کی بنیاد وحی کی روشنی سے محروم جاہلی تہذیب ہے۔ بِل کے آخر میں ''غرض وغایت'' کے عنوان سے ''CEDAW'' کا ذکر آیا ہے، اسی متعلقہ مقام پر اس معاہدے پر گفتگو ہوجائے گی۔

بروقت جدوجہد کی ضرورت

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اگر قومی اسمبلی سینیٹ کی تجویز کردہ ترامیم پر اتفاق کرلیتی ہے تو یہ بِل قانون شکل اختیار کرلے گا اور دارالحکومت اور اس کی حدود میں نافذ ہوجائے گا۔ اگرچہ یہ بِل ابھی منظوری کے مرحلے میں ہے، مگر اسے روکنے کی بساط بھر کوشش ابھی ہی کرنی چاہیے، کیونکہ وطنِ عزیز کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی بِل خواہ کتنا ہی شریعت یا ہماری روایات اور اقدار کے خلاف کیوں نہ ہو، مگر جب وہ قانون بن جاتا ہے سو بن جاتا ہے، پھر اس میں ترمیم یا اس کی تنسیخ بہت مشکل ہوجاتی ہے۔ اس کی واضح مثال ساٹھ کی دہائی میں منظور ہونے والا ''مسلم فیملی لاز آرڈیننس'' ہے۔ اس آرڈیننس کی کئی دفعات قرآن وسنت کی صریح نصوص سے متصادم ہیں، جس وقت یہ آرڈیننس نافذ ہوا، اس وقت لبرل اور سیکولر حلقوں نے تو اس پر خوشی کے شادیانے بجائے اور اپوا ''APWA'' جیسی تنظیموں نے مٹھائیاں تقسیم کیں، مگر دردمند اور خردمند پاکستانی مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ خیبر سے کراچی اور جہلم سے گوادر تک مسلمان سراپا احتجاج بن گئے۔ اس قانون کے خلاف نعرے لگے، جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے، منبر اور محراب نے اس منکر پر نکیر کی، دین دار اہلِ قلم نے اخبارات میں کالم اور رسائل وجرائد میں مضامین سپردِ قلم کیے۔ اس وقت کے مشاہیر اہلِ علم میں سے بِلا امتیازِ مسلک شاید

ہی کوئی ایسا ہوگا، جس نے اس قانون کی تردید میں کچھ لکھا نہ ہو، مگر اس احتجاج، مضامین اور کتابوں کا حکمراں طبقے پر نہ کچھ اثر ہونا تھا اور نہ ہی ہوا، کیونکہ انہیں خوشنودی کسی اور کی عزیز تھی اور تحفظ کسی اور کے مفادات کا مقصود تھا۔

1961ء کے بعد آج ساٹھ برس پورے ہونے کو ہیں، مگر وہ قانون اپنی تمام تر خامیوں کے باوجود آج بھی نافذ ہے۔ عام لوگ اسے ہی شریعت سمجھتے ہیں، بیرونِ ملک پاکستان کی شناخت اسی سے ہے، لاء کالجوں میں وہی پڑھایا جارہا ہے، وکلاء اسی کے تحت کیس دائر کرتے ہیں، جج اسی کی بنیاد پر مقدمات کو نمٹاتے ہیں اور انتظامیہ اسی قانون کی بنا پر کیے گئے فیصلوں کو نافذ کرتی ہے۔

تاریخ کے جھروکے میں اس پہلو سے جھانکنے کے بعد دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ اگر معاملہ مذہبی ہو اور جمہور اہل مذہب کسی ایک رائے پر متفق ہوں مگر اہل اقتدار کی خواہش اس کے برعکس ہو تو جمہور کی رائے کا جمہوری اصول بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں قانون کے نفاذ کے بعد سوائے احتجاج اور تنقید کے کوئی اور راستہ نہیں بچتا ہے لیکن اگر اس راستے سے کوئی قانون ختم یا تبدیل ہوتا تو عائلی قوانین کی غیر شرعی شقوں کو بہت پہلے منسوخ یا تبدیل ہو جانا چاہیے تھا۔

تاریخ کو اس رخ سے نمایاں کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قانون بننے سے پہلے ہی علمی اور عوامی سطح پر اس کا خلافِ شرع ہونا ظاہر کیا جائے، ملک وملت کے لیے اس کے ضرر رساں پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور سب سے بڑھ کر سیاسی سطح پر اس کے خلاف مؤثر احتجاج کیا جائے، کیونکہ خلافِ شریعت قوانین کے خلاف جائز ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے احتجاج کرنا ہمارا دینی، آئینی اور سیاسی حق ہے، بلکہ حق کے ساتھ یہ ہمارا فریضہ بھی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ

کے سامنے اس کے مکلف ہیں اور منکر کے ازالے کے لیے یہی ہمارے مقدور میں ہے، ورنہ ہماری خاموشی پشت پناہی گردانی جائے گی۔

علمی اور عوامی سطح کا یہ احتجاج اپنے اندر بے پناہ فوائد رکھتا ہے۔ عائلی قوانین کے خلاف اکابر کی تحریروں اور تقریروں میں آج ہمارے لیے فکر و بصیرت کا بڑا سامان ہے۔ ان کے طرزِ عمل سے آج ہمیں رہنمائی ملی اور ہمارا طرزِ عمل اگلوں تک منتقل ہوگا۔ یہ قانون اگر پارلیمنٹ سے اسی شکل میں منظور ہو جائے، پھر بھی اس کے خلاف زبان کو بولنا، قلم کو لکھنا اور بدن کو حرکت میں رہنا چاہیے۔ اس طرح ان خلافِ شرع قوانین کا راستہ رک جائے گا یا کم از کم دشوار ضرور ہو جائے گا، جو ابھی منصوبے میں ہیں اور نفاذ کے لیے مناسب وقت کے انتظار میں ہیں۔ زیادہ پریشان کن یہ اندیشہ ہے کہ سلسلہ یہاں تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ قوانین کا ایک طولانی سلسلہ ہے جو یکے بعد دیگرے خاموشی سے نافذ کر دیئے جائیں گے۔ عائلی قوانین کے خلاف مزاحمت کا ثمرہ تھا کہ قانون ساز اس حد تک نہ جا سکے جس حد تک دیگر اسلامی ممالک گئے تھے اور ایک طویل عرصہ تک وہ پھر مسلم شخصی قوانین میں مزید قطع و برید سے باز رہے۔

وفاقی شرعی عدالت

اگر یہ بِل منظور ہو کر ایکٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو پھر دستور کی دفعہ 203(د) کے تحت اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت خود یا کسی شہری کی تحریک پر یا وفاقی یا صوبائی حکومت کی درخواست پر اس کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ آیا یہ قانون اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے یا اس سے متصادم ہے۔ اس عدالت نے تمام قسم کی لاٹریوں، کورٹ فیس ایکٹ، ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم، مالک کی مرضی کے خلاف جائیداد

کا حصول اور سود سے متعلق 22 دفعات وغیرہ کو غیر اسلامی ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دیا ہے۔ اس عدالت کا طریقہ کار یہ ہے کہ جب یہ کسی قانون پر غور وخوض کرے اور محسوس کرے کہ وہ اسلام کے منافی ہے تو صدر یا گورنر کو نوٹس دے دیتی ہے کہ فلاں قانون یا اس کا کوئی خاص حصہ ان وجوہ کی بناء پر خلاف شریعت ہے۔ حکومت کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا مناسب موقع دینے کے بعد اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ زیر غور قانون اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے تو وہ دلائل کے ساتھ فیصلہ دے دیتی ہے اور یہ وضاحت بھی کر دیتی ہے کہ کوئی قانون پورا کا پورا یا اس کے خاص احکام اسلامی قانون سے متصادم ہیں۔ یہ عدالت اپنے فیصلے کے مؤثر ہونے کی تاریخ بھی متعین کر دیتی ہے چنانچہ فیصلے کے نتیجے میں وہ قانون اس حد تک کالعدم ٹھہرتا ہے جس حد تک وہ اسلام کے منافی ہو۔

اگرچہ وفاقی شرعی عدالت کسی قانون کو غیر شرعی قرار دے کر کالعدم کر سکتی ہے، مگر آئین میں متعین کردہ اس کی اختیارات کی حدود بھی مدِ نظر رہنی چاہئیں۔ دستور کی دفعہ 203 (ب) کی ذیلی شق (ج) میں ہے:

> ”(ج) قانون میں کوئی رسم یا رواج شامل ہے جو قانون کا اثر رکھتا ہو، مگر اس میں دستور، مسلم شخصی قانون، کسی عدالت یا ٹریبونل کے ضابطہ کار سے متعلق کوئی قانون، یا اس باب کے آغازِ نفاذ سے (دس) سال کی مدت گزرنے تک، کوئی مالی قانون، محصولات یا فیسوں کے عائد کرنے اور جمع کرنے یا بینکاری یا بیمہ کے عمل اور طریقہ سے متعلق کوئی قانون شامل نہیں ہے۔“

اس دفعہ میں صراحت ہے کہ:

1:- آئین ”وفاقی شرعی عدالت“ کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، حالانکہ آئین قوم کی سوچ اور فکر کا عکاس اور مملکت کی بنیاد اور پہچان ہوتا ہے، اداروں کی تنظیم، ان کے اختیارات

کی حدود اور رعایا کے حقوق وفرائض وہی متعین کرتا ہے، کاروبارِ مملکت اسی کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ ریاست کی ترقی اور تنزل کا معیار اور قوانین کی بنیاد اور سرچشمہ ہوتا ہے، قوانین کا رخ وہی متعین کرتا ہے اور ان کی جانچ بھی اسی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

2:- شخصی قوانین کو بھی اس کی دسترس سے دور رکھا گیا ہے، حالانکہ شخصی قوانین کا تعلق خاندان سے ہے۔ خاندان معاشرے کی اساس ہے اور معاشرہ ریاست کی بنیاد ہے، چنانچہ خاندانی نظام کے استحکام وعدمِ استحکام سے ریاست ضرور متأثر ہوتی ہے، مگر اسے بھی عدالت کی پہنچ سے دور رکھا گیا ہے۔

3:- مالی قوانین کا تعلق ریاست کے اقتصادی ڈھانچے سے ہوتا ہے، جس سے ریاست کا ہر شعبہ بلکہ ہر فرد متأثر ہوتا ہے، مگر وفاقی شرعی عدالت اس نوع کے قوانین کی بھی سماعت نہیں کرسکتی ہے۔

4:- جن قواعد وضوابط کو بروئے کار لا کر عدالتیں یا ٹریبونلز انصاف فراہم کرتی ہیں، وہ بھی اصل قوانین کی طرح نہایت اہمیت رکھتے ہیں اور بعض ماہرین کے بقول قانون سے زیادہ ان ضابطہ جاتی خرابیوں کی اصلاح کی ضرورت ہے، مگر عدالت کو ان میں بھی تبدیلی یا ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔

آئین کی مذکورہ بالا دفعہ 203 سے واضح ہے کہ مسلم شخصی قانون اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، مگر جیسا کہ قانونی دنیا میں مشہور ہے کہ جج قانون بھی بناتے ہیں اور اپنے فیصلوں کے ذریعے اختیار بھی حاصل کرتے ہیں، چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ اسے منضبط عائلی قوانین کے جائزہ کا حق حاصل ہے، اس لیے زیرِ بحث بِل کو ایکٹ بننے کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ اگر وفاقی شرعی عدالت اسے اسلام کے منافی قرار

دے دیتی ہے تو عدالت کا فیصلہ اس وقت اثر پذیر ہوگا جب ساٹھ یوم کے اندر عوامی حلقوں میں سے کوئی شخص یا چھ ماہ کے اندر خود وفاقی یا صوبائی حکومت اس کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں اپیل دائر نہ کرے۔[دیکھیں دستور کا دفعہ 203(و)] اگر عدالتِ عظمیٰ کی اپیلٹ بنچ میں اس کے خلاف اپیل دائر ہو جاتی ہے اور عام طور پر حکومت ایسا کرتی ہے تو فیصلہ کے خلاف خود بخود حکمِ امتناعی (Prohibition order) حاصل ہو جائے گا۔ بقول منیر نیازی ؎

ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

وفاقی شرعی عدالت کی مظلومیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ:

1:- اعلیٰ شرعی اور قانونی دماغ طویل عرصے تک مقدمے کی سماعت کریں، مختلف مقامات پر اپنے اجلاس رکھیں، ماہرین کی خدمات حاصل کریں اور جب حتمی اور قطعی فیصلہ صادر کردیں تو ایک ریڑھی بان، کوچبان یا پان کا کھوکہ لگانے والا اس کے خلاف درخواست دے کر اس کا فیصلہ موقوف کرادے۔

2:- وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کے خلاف کی سماعت سپریم کورٹ کا اپیلٹ بنچ کرتا ہے مگر وہ ایسی درخواستوں کی سماعت میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور اگر درخواست دہندہ حکومت ہو تو وہ بھی تاخیری حربے استعمال کرتی ہے، اس طرح اپیل کی سماعت میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت 1999ء میں قرار دے چکی ہے کہ ایوب خان کے دور سے نافذ مسلم عائلی قوانین آرڈی نینس کی دو دفعات (4 اور 7 متعلقہ بہ وراثت و طلاق) شریعت سے متصادم ہیں، لیکن اس فیصلے کے خلاف اپیل تب سے شریعت اپیلٹ بنچ میں معلق ہے اور یہ قانون پچھلے بائیس سالوں سے صرف اس بنا پر نافذ ہے کہ شریعت اپیلٹ بنچ اس مقدمے کی سماعت کر کے اس پر فیصلہ نہیں دے رہی!

3:- ہائی کورٹ کے کسی فیصلے کے خلاف حکم امتناعی اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک سپریم کورٹ اس کے بارے میں خصوصی حکم صادر نہ کرے، مگر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرتے ہی حکمِ امتناعی حاصل ہو جاتا ہے اور اس وقت تک حاصل رہتا ہے، جب تک سپریم کورٹ کا اپیلٹ بنچ اس کا فیصلہ نہ سنا دے۔ وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے پس منظر اور ضروریات پر اسی عنوان سے معروف قانون داں اور مصنف ریٹائرڈ جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب مرحوم کا مضمون ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

4:- ایک تشویشناک امر یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ کے لیے ایسی کوئی مدت مقرر نہیں ہے جس میں وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف دائر اپیل کا فیصلہ سنانے کی پابند ہو۔ اس وجہ سے سپریم کورٹ اگر اپیل پر فیصلہ کرنے میں تاخیر کرتی ہے، جو برسوں پر مشتمل ہو سکتی ہے، تو قانونی طور اس پر کوئی قدغن عائد نہیں ہے۔

اس جائزے سے وفاقی شرعی عدالت کی آئینی طاقت اور قانونی قوت واضح ہو جاتی ہے، مگر اس کے باوجود روشن خیالوں کو اس کا وجود محض اس وجہ سے گوارا نہیں ہے کہ یہ عدالت اسلام کی بنیاد پر فیصلے دیتی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کی بنیاد پر فیصلے کرنا تعصب ہے۔ نجانے ان کے نزدیک اسلام کی بنیاد پر ملک حاصل کرنا تعصب ہے یا نہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل

وفاقی شرعی عدالت تو کسی موجودہ قانون کا جائزہ لے سکتی ہے، مگر اس کے برعکس اسلامی نظریاتی کونسل کے اختیارات اس پہلو سے وسیع ہیں کہ وہ کسی موجودہ قانون کے علاوہ کسی مسودہ قانون کے متعلق بھی رائے دے سکتی ہے۔ دستور کی دفعہ 230 کی شق ''الف'' اور ''ج'' اسے یہ اختیار بخشتی ہے۔ دستور کی دفعہ 229 کے تحت اگر پارلیمنٹ کے چالیس فیصد

ارکان مطالبہ کریں کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے مشورہ کیا جائے کہ مجوزہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے یا نہیں؟ تو بِل کو بغرضِ مشورہ کونسل بھیج دیا جاتا ہے۔ کونسل بِل موصول ہونے کے پندرہ دن کے اندر پارلیمنٹ کو اس مدت سے مطلع کرتی ہے جس میں وہ مشورہ دے سکے گی۔

مصدقہ خبر کے مطابق قومی اسمبلی کے اسپیکر نے اسے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دیا ہے۔ اگر کونسل اس بِل کو مسترد کرتی ہے یا اس میں ترامیم تجویز کرتی ہے تو پارلیمان کو اس بِل پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا، مگر وہ کونسل کی تجاویز کو قبول کرنے کی پابند نہیں ہوگی کیونکہ کونسل کی تجاویز کی حیثیت لازمی احکام کی نہیں بلکہ سفارشی اور مشاورتی نوعیت کی ہے۔ پارلیمنٹ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ کونسل کی رائے آنے تک بِل کو ملتوی نہ رکھے بلکہ اس سے پہلے بھی وہ بِل کو منظور کر سکتی ہے۔ [آئین پاکستان، دفعہ 230(3)]

تا حال کونسل کی رائے منظرِ عام پر نہیں آئی ہے، تاہم قرینِ قیاس یہی ہے کہ وہ اس بِل کو مسترد کر دے گی، جس کی بڑی وجہ خود بِل کے مندرجات ہیں کہ ایک مغربی قانون کو من وعن اپنے مذہب، آئین، روایات، اقدار اور حالات کی پرواہ کیے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کونسل کے لیے اس قسم کا بِل کوئی نیا تجربہ نہیں ہے۔ گھریلو تشدُّد کے متعلق قانون سازی پر وہ ایک عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہے اور اپنے آئینی دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے متعلقہ قانونی اداروں کو تجاویز و سفارشات فراہم کرتی آ رہی ہے۔ 2008ء میں کونسل نے اس موضوع پر ورکشاپ کا اہتمام کیا اور حکومت کو تجویز دی کہ:

> ''گھریلو تشدُّد کے بارے میں قانون سازی سے فائدہ اس وقت ہوگا جب لوگوں کے رویے میں تبدیلی لائی جائے۔''

چاروں صوبوں میں اس نوع کی قانون سازی کے وقت بھی کونسل اپنے ملاحظات،

اعتراضات، تجاویز اور سفارشات کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مجوزہ مسودہ قانون جب گزشتہ سال قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو کونسل نے مقننہ کے نام اپنے مراسلے میں اس کی بعض دفعات پر تحفظات کا اظہار کیا اور ساتھ میں لکھا کہ: ''کونسل اس پر مزید کام کر رہی ہے، جامع تجزیہ اور مشاورت کے بعد کونسل اپنی حتمی رائے پیش کرے گی، اس لیے کونسل کی حتمی رائے آنے سے پہلے اس پر قانون سازی نہ کی جائے۔

یہ وہ وجوہات ہیں کہ جن کی بنا پر یہ قیاس قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کونسل اس مجوزہ قانون کو سختی سے مسترد کرے گی، مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ:

1:- کونسل کو قوتِ نافذہ حاصل نہیں، اس کی آئینی حیثیت محض مشاورتی وسفارشی ہے۔ (دستور پاکستان، دفعہ:230)

اس کا نتیجہ ہے کہ کونسل اپنی سالانہ رپورٹیں پارلیمان کو پیش کرتی ہے اور آئین کی رو سے دونوں ایوان اور ہر صوبائی اسمبلی اس پر بحث کرنے اور مزید غور وخوض کرنے کے بعد قوانین وضع کرنے کی پابند ہے، مگر:

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

2:- پارلیمنٹ پابند نہیں ہے کہ کونسل سے مشورہ حاصل ہونے تک بِل کو ملتوی رکھے، بلکہ وہ کونسل کی رائے آنے سے قبل بھی بِل منظور کر سکتی ہے۔

3:- اگر کونسل اسے خلافِ شریعت قرار دیتی ہے تو پارلیمان کو بِل پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا، مگر وہ کونسل کی تجاویز کے مطابق قانون سازی کی پابند نہیں ہوگی۔ [دستور پاکستان، دفعہ: 230(3)]

ان دو آئینی اداروں کے علاوہ اعلیٰ عدالت میں کسی قانون کو اس بنا پر چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان بنیادی حقوق کے خلاف ہے جو آئین میں عطا کیے گیے ہیں۔

مجوزہ بِل کا دستوری جواز؟

بِل کا ابتدائیہ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

> چونکہ دستور تمام اشخاص کے بنیادی حقوق، ان کے وقار اور قانون کی مطابقت میں ان کے ساتھ برتاؤ کیے جانے کے ان کے حق کو تسلیم کرتا ہے؛ چونکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ خواتین، بچوں اور بڑوں اور کسی بھی نادار شخص کو مؤثر خدمات کی فراہمی کے لیے تحفظاتی نظام قائم کیا جائے تا کہ ایسا ممکنہ ماحول پیدا کیا جائے جو خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کی معاشرے میں اپنی خواہش کے مطابق آزادانہ کردار ادا کرنے میں حوصلہ افزائی کی جا سکے اور سہولت دی جا سکے اور اس کے ضمنی معاملات کے لیے انتظام کیا جا سکے؛

اس ابتدائیہ کا مقصد دو باتیں ہیں:

ایک یہ کہ بِل دستوری جواز رکھتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صرف قانون کی تشکیل پیش نظر نہیں ہے بلکہ اس کے مؤثر نفاذ کے لیے انتظامی ڈھانچہ بھی تشکیل دیا گیا ہے۔

جہاں تک دستوری جواز کا تعلق ہے تو وہ ہر قانون کے لیے ضروری ہے کیونکہ آئین ہی ملک کا بنیادی قانون ہوتا ہے، وہی قانون سازی کا جواز فراہم کرتا ہے اور وہی مجوزہ قانون کی حدود و قیود متعین کرتا ہے اور اسی کی میزان پر قانون کو پرکھا جاتا ہے۔ مقننہ نے اسی مقصد کے پیش نظر تمہید میں دستور کا حوالہ دیا ہے تا کہ بِل کو دستوری جواز اور آئینی بنیاد فراہم کی جائے،

مگر یہ بِل آئین پر استوار ہے اور دستوری جواز رکھتا ہے یا اس سے محروم ہے؟ ہماری نظر میں اگر یہ کچھ آئینی دفعات کے مطابق ہے تو کئی دفعات کے خلاف ہے، آئین کی روح اور اس کی مجموعی اسکیم اسے مسترد کرتی ہے۔ اگر قانون کی اساس آئین ہے تو آئین بھی اپنی اساس رکھتا ہے اور یہ اس آئینی اساس کے بھی خلاف ہے۔

اس بِل کی حمایت میں آئین کی درج ذیل دفعات سے دلائل لائے جاسکتے ہیں:

۔۔۔جس میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے تابع حیثیت اور مواقع میں مساوات، قانون کی نظر میں برابری، معاشرتی، معاشی اور سیاسی انصاف اور خیال، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور اجتماع کی آزادی شامل ہوگی۔ [دیباچہ آئین]

افراد کا حق کہ ان سے قانون وغیرہ کے مطابق سلوک کیا جائے۔ [آئین پاکستان دفعہ 4]

بنیادی حقوق کے نقیض یا منافی قوانین کالعدم ہوں گے۔ [آئین پاکستان دفعہ 8]

فرد کی سلامتی: کسی شخص کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے جب کہ قانون اس کی اجازت دے۔ [آئین پاکستان دفعہ 9]

شہریوں سے مساوات: (1) تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں اور قانونی تحفظ کے مساوی حق دار ہیں۔

(2) محض جنس کی بناء پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔

(3) اس آرٹیکل میں مذکور کوئی امر عورتوں اور بچوں کے لیے مملکت کی طرف سے کوئی خاص اہتمام کرنے سے مانع نہ ہوگا۔ [آئین پاکستان دفعہ 25]

دستور کی مخالفت

اگرچہ مقننہ نے اس بِل کو آئینی بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت میں یہ بِل آئین کے خلاف ہے جس کی بڑی وجہ اس کا خلاف شریعت ہونا ہے۔ جو کوئی قانون آئین کے مطابق ہو، مگر شریعت کے مخالف ہو، وہ واجب الرد ہے، خواہ وہ کسی دستور کے موافق ہو یا مخالف کیونکہ دستورِ شریعت پر کسی دستور کو فوقیت حاصل نہیں، مگر دستورِ پاکستان کی خصوصیت ہے کہ جو قانون شریعت کے خلاف ہو، وہ لازماً دستور کے بھی خلاف ٹھہرتا ہے، کیونکہ دستور کی عمارت چار ستونوں اسلام، جمہوریت، وفاق اور پارلیمان پر کھڑی ہے جس میں اسلام کو اولیت حاصل ہے۔ آئین کی پہلی دفعہ میں ہے کہ:

''مملکت پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔''

دستور کی تمہید میں بھی ان چار ستونوں کا بیان ہے، دستور کی ساخت بھی یہی ہے اور اسی پر دستور کی اٹھان ہے، ملک میں جو ادارے قائم کیے جاتے ہیں اور جو قوانین وضع کیے جاتے ہیں ان میں بھی یہی رنگ غالب رہتا ہے۔

آرٹیکل 2 اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیتا ہے اور قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کی ضمانت فراہم کرتا ہے:

''اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا۔'' [آئین پاکستان، آرٹیکل 2]

ہماری آئینی تاریخ یہ ہے کہ قرارداد مقاصد کی بنیاد پر دستور کو ترتیب دیا گیا ہے اور دستور کے عملی نفاذ کے لیے قوانین تشکیل دیے گئے ہیں۔ اب اگر قوانین کی بنیاد دستور ہے تو دستور کی بنیاد قرارداد مقاصد ہے۔ قرارداد مقاصد کی یہی اہمیت ہے کہ وہ ہر آئین کا دیباچہ رہا

ہےاور اعلیٰ عدالتوں نے متعدد مواقع پر اس کی حیثیت کا تعین کیا ہے:

''قراردادِ مقاصد مستقل احکام کا حصہ ہوگا۔''[آئین پاکستان آرٹیکل (2) الف]

قرارداد مقاصد محض ایک رسمی قرارداد نہیں ہے بلکہ آئین کا مستقل حصہ ہے مگر اس سے بڑھ کر اس کی حیثیت پاکستان کی تاریخ میں ''معاہدہ عمرانی'' کی ہے۔قرارداد مقاصد کی بنیاد تین اصولوں پر ہے:

1۔حاکمیت اللہ تعالی کی ہے۔

2۔حق حکمرانی عوام کے منتخب نمایندوں کو ہے۔

3۔حکومت اللہ تعالی اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پابند ہے، چنانچہ دیباچے کے پیرا نمبر 3 میں ہے کہ:

''جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل حکمرانی کے اصولوں پر جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔''

پیرا نمبر 4 میں ہے:

''جس میں مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق، جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں۔''

پیرا نمبر 7 میں بنیادی حقوق کی ضمانت قانون اور اخلاق عامہ کے تحت دی گئی ہے۔

آرٹیکل 227(1) قرار دیتا ہے:

''تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے تابع بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔''

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ یہ بِل اسلام کے خلاف ہے اور اسلام کے خلاف ہونے کی وجہ سے قانون خود بخود آئین کے خلاف ہو جاتا ہے۔

یہ بِل آئین کی بعض صریح دفعات کے بھی خلاف ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ آئینی اسکیم ہی کے خلاف ہے۔ ہمارے آئین کی دفعہ:35 میں قرار دیا گیا ہے کہ:

''خاندان وغیرہ کا تحفظ: مملکت، شادی، خاندان، ماں اور بچے کی حفاظت کرے گی۔''

اور انسانی حقوق کے عالمی منشور کی دفعہ:16 میں ہے:

''خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔''

خاندان کی سادہ شکل رشتۂ ازدواج کی صورت میں قائم ہوتی ہے، جب اولاد ہو جاتی ہے تو زوجین والدین کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، بچے جوان ہوتے ہیں تو پھر اور ازدواجی رشتے بنتے ہیں، اس طرح کنبے اور قبیلے وجود میں آتے ہیں۔ الغرض خاندان کی ابتدائی صورت میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے، جو پھیل کر خاندان اور پھر مزید پھیل کر معاشرے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام زوجین کے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے، مگر یہ بِل اس ابتدائی بنیاد کو غیر مستحکم کرتا ہے۔ یہ بِل اپنے مزاج میں زوجین کو بجائے رفیق کے فریق بنا کر اور انہیں حلیف کے بجائے حریف ثابت کر کے اور انہیں بجائے زندگی کے دو پارٹ تسلیم کرنے کے، انہیں پارٹیاں قرار دے کر باہم مقابلے اور عداوت کی فضا پیدا کرتا ہے، جس سے ازدواجی زندگی متزلزل ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کی بے یقینی اور انتشار سے خاندان کا ادارہ غیر مستحکم ہو جاتا ہے اور خاندان کے عدم استحکام کی وجہ سے معاشرہ عدمِ استحکام سے دوچار ہو جاتا ہے اور بالآخر ریاست کے ستون ہلنے لگتے ہیں۔ سماجی علوم بھی

معاشرے کے انتشار کو ریاست کا انتشار قرار دیتے ہیں۔ اس پہلو سے یہ بِل دستور کے کسی ایک دفعہ کے خلاف نہیں، بلکہ آئین کی غرض وغایت کے خلاف ہے، کیونکہ آئین کا مقصد ریاست کا استحکام ہے، جب کہ یہ بِل فرد کو بغاوت، گھر کو برباد، خاندان کا خاتمہ اور ریاست کے مرکزی ستون پر ضرب لگاتا ہے۔

آرٹیکل 31/اسلامی طریق زندگی کے بارے میں ہے اور اس کی پہلی شق میں درج ہے کہ:

> ''پاکستان کے مسلمانوں کو، انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اَساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔''

اس آرٹیکل میں درج ذیل رہنما اصول طے کر دیے گئے ہیں:

1۔ مسلمانوں کی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق تشکیل دی جائے گی۔

2۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرز حیات کو اسلامی اصولوں کے ہم آہنگ کیا جائے گا۔

3۔ ریاست کا کردار اس سلسلے میں سہولت کار اور مددگار کا ہوگا۔

یہ آرٹیکل اسلام کے بنیادی اصولوں کو معیار قرار دیتا ہے جب کہ اس بِل کے پس پشت آزادیِ نسواں کے مفروضے کارفرما ہیں۔ خود قانون سازوں نے بھی اس حقیقت کو چھپایا نہیں ہے، بلکہ بِل کے اغراض ووجوہ کے بیان میں اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ اس بِل کے پس پشت حقوق نسواں کے بین الاقوامی کنونشنوں کی قراردادیں اور سفارشات ہیں۔

حقوقِ نسواں تحریک کے نقطۂ نظر سے اس طرح کا قانون ان کے لیے حصولِ منزل

نہیں، بلکہ اس کی طرف ایک پیش رفت ہے۔ان کی منزل کچھ اس نوعیت کی ہے جسے اسلام تو کجا کوئی بھی شائستہ مذہب قبول نہیں کرسکتا،مثلاً مرد وعورت میں ہر طرح اور ہر سطح پر مساوات، تولیدی امور پر عورت کا مکمل کنٹرول، اباحیت، ہم جنس پرستی، مرد کی جائیداد میں عورت کا آدھا حصہ،وغیرہ۔

آرٹیکل 37 کی رو سے آئین معاشرتی برائیوں کا خاتمہ چاہتا ہے،مگر یہ بِل برائیوں کو فروغ دیتا ہے،جس کی تین وجوہات ہیں:

1:- یہ تعلیم وتربیت کے پہلو سے سرپرستوں کو بے اختیار کردیتا ہے۔تعلیم وتربیت کے لیے ترغیب کے ساتھ ترہیب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اگر ترہیب نہ ہوگی تو تعلیم نہ ہوگی اور تعلیم نہ ہوگی تو اس کی ضد جہالت ہوگی اور جہالت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔تعلیم کے نہ ہونے سے تربیت بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ علم پر عمل ہی کا نام تربیت ہے اور جب علم نہ ہوگا تو تربیت سے کہاں سے ہوگی؟

2:- یہ بِل شوہر، باپ اور سربراہِ خانہ کی تادیبی ولایت کی بھی نفی کرتا ہے،صرف نفی ہی نہیں، بلکہ اس پر سزا تجویز کرتا ہے،حالانکہ تادیبی اختیار کا مقصد اصلاحِ نفس ہے اور اصلاحِ نفس نہ ہوگا تو کردار وافعال اچھے ہو ہی نہیں سکتے۔

3:- نہی عن المنکر کا حق عام مسلمانوں کو بھی حاصل ہے۔سربراہِ خانہ، سرپرستوں اور اولیاء کو تو اس کا وجوبی حکم ہے بلکہ منکر کے ازالے کے لیے شریعت ایک عام مسلمان کو بھی تعزیر کا حق دیتی ہے۔تعزیر کا مقصد بھی تہذیبِ نفس اور تعدیلِ اخلاق ہے،جس سے برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے،مگر یہ بِل عام مسلمانوں سمیت گھر کے سربراہ اور بزرگوں کے ازالۂ منکر کے حق پر پابندی عائد کرتا ہے۔

اگر ہم کہیں کہ منکرات اور فواحش کے سدِ باب کے لیے اس بِل کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے تو یہ اس پر بہت نرم تنقید ہوگی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بِل برائیوں سے روکتا نہیں ہے، بلکہ اس پر اُکساتا ہے، بلکہ اس کی طرف زبردستی دھکیلتا ہے۔ اس کی مثالیں جا بجا اس بِل میں بکھری پڑی ہیں، مثلاً: قرآن وسنت کا فحاشی کے خلاف جو لب ولہجہ ہے وہ سب کو معلوم ہے، فحش کا مرکز عورت کی ذات ہے، اسی لیے اسے گھر میں قرار پکڑنے کا حکم ہے، اگر باہر نکلے تو شرعی حجاب کے ساتھ نکلے، کیونکہ بغیر حجاب کے نقل وحرکت سے مردوں سے اختلاط ہوتا ہے اور اختلاط سے شہوت کا ہیجان ہوتا ہے اور اس طرح فحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ فحش جہاں گھستا ہے یا گھسا ہے وہاں شہوت کو پورا کرنے کے اخلاقی اور روحانی طریقے رخصت ہوئے ہیں اور اباحیت پھیل گئی ہے۔ مزدکیوں، بولشویکوں اور مغرب میں اباحیت اسی فحش کی وجہ سے پھیلی ہے۔ اب اس بِل کو دیکھ لیجیے، جس کی رو سے بیوی کو شوہر کے علاوہ اپنے محبوب کے ساتھ اور بیٹی کو اپنے دوست کے ساتھ نہ صرف ملنے بلکہ رہائش اختیار کرنے کا حق ہے، چنانچہ بِل کی دفعہ: 16 میں ہے:

> ’’16:- کمیٹی تحفظ کے فرائض اور کار ہائے منصبی: کمیٹی تحفظ: (ج) اگر ضروری ہو تو متضرر شخص کی رضامندی سے، محفوظ مقام کی تلاش میں جو کہ متضرر شخص کو قابلِ قبول ہو میں متضرر شخص کی معاونت کرنا، جس میں کسی بھی رشتہ دار کا گھر یا خاندانی دوست یا دوسری محفوظ جگہ شامل ہو سکتی ہے۔‘‘

جن ممالک میں یہ قانون نافذ ہوا ہے، وہاں اس کا یہی مطلب لیا گیا ہے کہ عورت کے خلوت کے تعلقات پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

دفعہ 2 کی ذیلی شق 5 اجنبی اشخاص کو ایک ساتھ رہائش کا حق دیتی ہے۔ متذکرہ دفعہ میں اس قدر عموم ہے کہ دو ہم جنس اشخاص کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ سکونت کا حق ہے اور

بل اس حق کا تحفظ کرتا ہے اور اس حق کی وجہ سے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف دعویٰ کرنے اور سزا دلانے کا بھی حق ہے۔ آگے جب مذکورہ دفعہ پر گفتگو ہوگی تو واضح کر دیا جائے گا کہ کس شاطری سے یہ زہر بل میں چھپا دیا گیا ہے۔

تمہید میں یہ تأثر بھی دیا گیا ہے کہ بل کے نفاذ سے بنیادی حقوق کا تحفظ مطلوب ہے، مگر بل حقوق کا تحفظ کم اور انہیں سلب زیادہ کرتا ہے۔ جس صورت میں کوئی فعل شریعت کی نظر میں جرم نہیں ٹھہرتا ہے، ان میں یہ بل بنیادی حقوق سلب کرتا نظر آتا ہے۔ بل گھروں کے بند دروازے کے پیچھے حالات کی کھوج میں رہتا ہے۔ [ملاحظہ کیجیے: دفعہ: 2(8)] جب کہ شریعت ''لا تتبع عورات النساء'' اور ''لا تحسّسوا و لا تجسّسوا'' کہہ کر اس سے منع کرتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کے گھر میں اہلِ خانہ کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ آرٹیکل: 14 بھی اس کی تلقین کرتا ہے، جس کا عنوان ہے کہ: ''شرفِ انسانی قابلِ حرمت ہوگا'' اور اس کے تحت ہے کہ: ''شرفِ انسانی اور قانون کے تابع، گھر کی خلوت قابلِ حرمت ہوگی۔'' مگر بل میں معمولی باتوں کو قابلِ دخل اندازیِ پولیس قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیے: [دفعہ: 12(2)] مزید یہ کہ سرکاری اداروں کو گھریلو امور میں حد سے زیادہ مداخلت کا حق دیا گیا ہے۔

دستور کی دفعہ: 15 آزادانہ نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، مگر یہ بل اس پر کڑی پابندی لگاتا ہے۔

آئین کی دفعہ: 20 کے تحت ہر شخص کو اپنے مذہب کی پیروی کرنے اور عمل کرنے کا حق ہے۔ مذہب کی پیروی میں غیروں کی اصلاح، دعوت و ارشاد، تبلیغ و تذکیر، اِنذار و تخویف بھی داخل ہے اور اسی وجہ سے یہ امت خیر امت ہے۔ اگر یہ چیزیں مذہب پر عمل میں داخل

نہیں ہیں تو پھر مذہب' نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا نام ہے جو مذہب کا ناقص اور محدود تصور ہے اور اس معنی میں تو یہ حق غیر مسلم ریاستوں میں بھی مسلمانوں کو حاصل ہے۔

آئین کا آرٹیکل :23 اور 24 جائیداد اور حقوقِ جائیداد کے متعلق ہے، مگر یہ بِل مالک کو اس کی جائیداد میں داخلہ اور اس سے استفادہ سے محروم کرتا ہے۔ رشتہ دار بھی اس گھر میں نہیں جاسکتے جو حقِ اجتماع اور نقل و حرکت کے خلاف ہے۔ مدعی سے کوئی مل نہیں سکتا جو آزادیِ اظہار اور تقریر کے خلاف ہے۔ آئین کی رو سے صنف کی بنا پر کسی سے امتیاز نہیں برتا جائے گا، مگر اس بِل کا مجموعی تأثر اور واضح میلان صنفِ نازک کی طرف ہے۔

آئین کی دو دفعات خاص طور پر سزا کے متعلق ہیں اور ان کا مقصد سزا میں بے اعتدالی سے بچنا ہے، مگر اس بِل میں جرم اور سزا کے درمیان توازن نہیں ہے۔

شریعت، قانون اور اقوامِ متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق کی رو سے ہر شخص معصوم ہے، جب تک اس کا جرم ثابت نہ ہو جائے، مگر اس بِل میں ٹرائل کے مرحلے میں جب کہ الزام ابھی محض الزام ہوتا ہے، ملزم کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔

تمہید کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے کہ مؤثر خدمات کی فراہمی کے لیے تحفظاتی نظام قائم کیا جائے اور اس سلسلے کے اقدامات کو ادارہ جاتی شکل دی جائے۔ ملاحظہ کیجیے:

> اور ہر گاہ کہ یہ قرین مصلحت ہے کہ اقدامات کو ادارہ جاتی بنایا جائے جو تمام اشخاص، بشمول خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کو گھریلو تشدد اور اس سے منسلکہ یا اس کے ضمنی معاملات کی روک تھام اور فراہمی تحفظ کے لیے ضروری حفظ ماتقدم فراہم کریں گے؛ بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا گیا ہے:

تمہید کے اس پیرے کا مقصد یہ ہے کہ مقننہ کا منشاء صرف قانون کی تشکیل نہیں بلکہ اس

پر موثر عمل درآمد ہے، اس مقصد کے لیے ایک عملی ڈھانچہ ترتیب دیا گیا ہے اور قانون ہی کے اندر ایک میکانزم کو جگہ دی گئی ہے چنانچہ قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ بِل نے نئے عہدے پیدا کیے ہیں اور افسر تحفظ، تحفظ کمیٹی اور سروس فراہم کنندہ کو کردار دیا گیا ہے اور نہ صرف ان کے اختیارات کو بلکہ اختیارات کے طریقہ استعمال کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

دستوری زاویے سے اس تمہیدی ٹکڑے میں بحث یہ ہے کہ دستور کی تعبیر و تشریح کرتے وقت سیاق و سباق کو دیکھا جاتا ہے اور تمام دفعات کو مدِ نظر رکھ کر کوئی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ آئین کی دفعہ 25 کی رو سے "مملکت' خواتین اور بچوں کے تحفظ کے لیے کوئی خاص اہتمام کرسکتی ہے۔" مگر اس اہتمام کی اجازت اس قید کے ساتھ ہے کہ آئین کے دیگر احکام متأثر نہ ہوں، کیونکہ وہ بھی دستور کا حصہ ہیں۔ اس بِل کے اغراض کے لیے اگر ریاست خدمات کا کوئی مؤثر نظام قائم کرتی ہے اور اس سلسلے کے اقدامات کو ادارہ جاتی شکل دیتی ہے تو خود آئین کی رو سے شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام متأثر نہ ہوں، ریاست عدمِ استحکام کا شکار نہ ہو، خاندانی نظام متأثر نہ ہو، بنیادی حقوق پامال نہ ہوں، برائیوں کو فروغ نہ ملے اور وہ نظام شہریوں کے لیے قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں سہولت پیدا کرتا ہو۔ اگر کوئی نظام ان شرائط کو پورا نہ کرتا ہو تو اس کا قائم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں جب قانون ہی شریعت اور آئین کی حمایت سے محروم ہے تو اس پر منظم انداز میں عمل درآمد کیسے درست ہوسکتا ہے؟

بِل پر دستوری پہلو سے بحث ختم کرنے سے پہلے ان آئینی دفعات پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالنا ضروری ہے جن میں آزادی، مساوات اور عدم امتیاز وغیرہ کا ذکر ہے اور جن کو اس بِل کے بنیاد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ان اصطلاحات کے بارے میں درج ذیل نکات کو

ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

1-ایک یہ کہ آئین یا قانون کی تعبیر وتشریح کرتے وقت "انگریزی کامن لاء" کے مفروضوں" یا "اینگلو۔محمڈن لاء" میں طے شدہ نظائر کو نہیں بلکہ اسلامی اصول قانون کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، یہاں کا ریاستی مذہب اسلام ہے،اقتدار اعلیٰ اللہ تبارک وتعالی کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور یہ اقرار کیا گیا ہے کہ قرآن وسنت سے متضاد قانون سازی نہیں کی جائے گی اور اسلام سے متصادم قوانین ختم کیے جائیں گے۔

2-ان آئینی احکامات کے علاوہ "قانونِ نفاذِ شریعت" کی دفعہ 4 کے تحت قرار دیا گیا ہے کہ پاکستان میں تمام قوانین کی تعبیر وتشریح قرآن وسنت میں مذکور اسلامی احکام کی روشنی میں کی جائے گی:

> 2۔تعریفات: (ب) شریعت کی تشریح وتفسیر کرتے وقت قرآن وسنت کی تشریح و تفسیر کے مسلّمہ اصول وقواعد کی پابندی کی جائے گی اور راہنمائی کے لیے اسلام کے مسلّمہ فقہاء کی تشریحات اور آراء کا لحاظ رکھا جائے گا جیسا کہ دستور کی دفعہ 227 شق (1) کی تشریح میں ذکر کیا گیا ہے۔(نفاذِ شریعت ایکٹ 1990ء)

3-یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ اگر کسی قانون کی دو تعبیرات ممکن ہوں تو وہ تعبیر اپنائی جائے گی جو اسلامی احکام سے ہم آہنگ ہو۔نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ 14 اس سلسلے میں بہت وضاحت کے ساتھ قرار دیتی ہے:

> (14) قوانین کی تعبیر شریعت کی روشنی میں کی جائے گی۔
>
> اس قانون کی غرض کے لیے
>
> (اول) قانونِ موضوعہ کی تشریح وتعبیر کرتے وقت، اگر ایک سے زیادہ تشریحات اور تعبیرات ممکن ہوں، تو عدالت کی طرف سے اس تشریح وتعبیر کو اختیار کیا جائے گا

جو اسلامی اصولوں اور فقہی قواعد وضوابط اور اصولِ ترجیح کے مطابق ہو، اور

(دوم) جب کہ دو اور دو سے زیادہ تشریحات و تعبیرات مساوی طور پر ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح و تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اسلامی احکام اور دستور میں بیان کردہ حکمتِ عملی کے اصولوں کو فروغ دے۔

4- مسلم فیملی لاء کے اطلاق کا قانون خواہ وہ 1937ء کا ہو یا قیام پاکستان کے بعد 1962ء کا ایکٹ ہو، دونوں میں قرار دیا گیا ہے کہ مسلمانوں پر خاندانی تعلقات اور دیگر شخصی احکام میں مسلم پرسنل لاء کا اطلاق ہوگا۔ ملاحظہ کیجیے:

دفعہ 2۔ مسلم پرسنل لاء کا اطلاق: باوجودیکہ کوئی رواج یا Custom اس بارے میں موجود ہے، وراثت کے تمام معاملات میں (جس میں وصیت یا عدم وصیت بھی شامل ہے) خواتین کی خاص جائیداد، منگنی، شادی، طلاق، حق مہر، تولیت، گارڈین شپ، نابالغی، جائز یا ناجائز اولاد کی صورت، خاندانی تعلقات، وصیت، وصیتی جائیداد، ہبہ، مذہبی رسومات یا ادارے بمعہ وقف، ٹرسٹ، یا اس سے متعلقہ جائیداد میں کسی موجود قانون کے تابع مسلم پرسنل لاء شریعت کے مطابق ہوگا، جہاں فریقین مسلمان ہوں۔

ان نکات کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بے شک آئین میں آزادی، مساوات اور عدم امتیاز پر زور دیا گیا ہے اور اپنی اصل کے لحاظ سے یہ اصطلاحات اسلامی ہیں مگر تشریح کرتے وقت ان کے مغربی مفہوم کو نہیں بلکہ اسلامی حقیقت کو مدنظر رکھا جائے گا ورنہ یہ غیر منصفانہ ہوگا کہ عنوانات اسلامی لیے جائیں اور ان میں حقیقت مغربی بھر دی جائے۔ اسلام ان اصطلاحات کا وہ مفہوم ہرگز تسلیم نہیں کرتا جو مغرب اس سے مراد لیتا ہے۔

متضرر شخص

''2:-تعریفات: (1) اس ایکٹ میں تاوقتیکہ کوئی امر موضوع یا سیاق وسباق کے منافی نہ ہو: (ایک) ''متضرر شخص'' سے کوئی بھی خاتون، بچہ بڑا کوئی بھی نادار شخص یا کوئی بھی دیگر شخص مراد ہے جو مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو اور جو الزم لگاتا ہو کہ مسئول الیہ کی جانب سے گھریلو تشدُّد کے کسی فعل کے تابع رکھا گیا ہے۔''

اس بِل کے ذریعے جن اشخاص کی دادرسی مقصود ہے، بالفاظِ دیگر جن کو تشدُّد سے محفوظ رکھنا مطلوب ہے، ان کا بیان کیا گیا ہے، جو کہ درج ذیل افراد ہیں:

1:- خاتون، خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ

2:- بچہ بشرطیکہ اٹھارہ سال سے کم عمر کا ہو، خواہ نسبی ہو یا رضاعی یا لے پالک ہو۔

3:- بڑا یعنی بالغ شخص

4:- کوئی بھی نادار اور کمزور شخص۔

5:- کوئی بھی دیگر شخص

متضرر سے دادرسی کا طالب، فریادی، مظلوم، ستم رسیدہ، متاثرہ شخص وغیرہ مراد ہے۔ جس شخص کو قانونی اعتبار سے کوئی مضرت پہنچے وہ ''شخص متضرر'' کہلاتا ہے یا ایک شخص جس کی جائیداد، حقِ رائے دہی یا ذاتی حق کو مضرت پہنچے، وہ شخص متضرر ہے۔(۱)

بوڑھوں اور کمزوروں کے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل نے تنقید کی تھی کہ بِل ان کا احاطہ نہیں کرتا ہے، شاید اسی وجہ سے اس بِل میں ''کوئی بھی نادار'' یا ''کوئی بھی دیگر شخص'' کے الفاظ کا اضافہ کر کے ان کو شامل کر دیا گیا ہے۔

---

(۱) [قانونِ لغت، مؤلف جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب مرحوم، ص:32]

اس بِل کی رو سے اگرچہ خاندان کا کوئی بھی رکن، خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، دادرسی طلب کرسکتا ہے، مگر بِل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ ہمیشہ سرپرست اپنے ماتحتوں کے خلاف، مرد عورت کے خلاف، شوہر بیوی کے خلاف، باپ اولاد کے خلاف اور بھائی اپنی بہن کے خلاف تشدّد کا مرتکب ہوتا ہے۔ احکام کے بیان میں تمثیلات بھی ایسی دی گئی ہیں جن میں بچہ، خاتون اور معذور افراد کو مظلوم کی مثالوں میں پیش کیا گیا ہے۔ سزائیں بھی ایسی تجویز کی گئی ہیں جو باپ، شوہر اور سرپرست پر نافذ کی جاسکتی ہیں۔ عام طور پر این جی اوز کا پروپیگنڈہ عورت کی حمایت میں ہوتا ہے اور بین الاقوامی دباؤ بھی ان ہی کے سلسلے میں ہوتا ہے، جس سے متأثر ہوکر بِل بے اعتدالی اور انتہا کا شکار ہوگیا ہے۔

کیا اولاد والدین کے متعلق، ماتحت سرپرست کے متعلق، بیوی شوہر کے خلاف اور عورت دوسری عورت کے خلاف تشدّد کی مرتکب نہیں ہوتی؟ تشدّد کا رجحان خواتین میں بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔ بیویاں جو صحت کو مرض سے، دولت کو فقر سے، عزت کو ذلت سے، سکون کو بے سکونی سے اور مثالی گھرانے کو جہنم کدہ بنادیتی ہیں، اولاد جو بوڑھے والدین کی خدمت و اطاعت کے بجائے ان کے ساتھ ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک کرتی ہے، ان پر ہاتھ اُٹھاتی ہے، جائیداد پر قبضہ کرتی ہے اور ان کو گھر سے بے دخل کردیتی ہے، بہنیں جو سرِعام بھائیوں کو رسوا کردیتی ہیں، بہو جو شوہر کو خاندان سے کاٹ دیتی ہے اور ساس جو اپنی انا کے لیے بہو کا گھر برباد کردیتی ہے، بِل کے قائم کردہ معیار کے مطابق یہ بھی تشدّد ہے یا نہیں؟ اور اس کے لیے بھی کوئی سزا تجویز کی گئی ہے یا نہیں؟ کیا ظلم ہے کہ بیوی بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے جس کے بال سفید، کمر دوہری، بصارت کمزور اور ہاتھوں میں رعشہ طاری ہوگیا ہے، وہ بیوی کے سامنے اونچی آواز سے بات اور اولاد کی

خرمستیوں اور شاہ خرچیوں پر اُف تک نہیں کر سکتا، اس لیے کہ جذباتی تشدُّد ہے اور قابلِ مواخذہ ہے۔

بچہ

> ''دفعہ: 2 تعریفات: (دو) ''بچہ'' سے مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو رشتہ میں رہنے والا اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی فرد مراد ہے اور اس میں کوئی بھی متبنی، سوتیلا یا رضاعی بچہ شامل ہے۔''

شریعت کی رو سے بلوغت کی کم از کم عمر لڑکے کے حق میں نو سال اور لڑکی کے حق میں بارہ سال ہے اور اکثر مدت دونوں کے لیے پندرہ سال ہے۔ بلوغ کی عمر اٹھارہ سال مقرر کرنے سے یہ مضحکہ خیز صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ کوئی شخص صاحبِ اولاد ہے، مگر قانون کی نظر میں تا حال وہ نابالغ ہے، جب کہ شریعت اس طرح کی مضحکہ خیزیوں سے پاک ہے۔ عقلی امکان کی رو سے شرعاً مرد پچیس سال کی عمر میں دادا اور عورت اُنیس سال میں نانی بن سکتی ہے۔

بچہ خواہ سگا ہو یا سوتیلا، وہ بچہ ہوتا ہے اور اس پہلو سے رشتوں کے بیان میں لے پالکی اور رضاعی رشتے کے بیان میں حرج نہیں ہے، البتہ ان رشتوں سے جڑے حقوق کے درمیان امتیاز کرنا چاہیے۔ اس بِل کی ایک بڑی خامی یہ ہے کہ سگے اور سوتیلے، خونی اور غیر خونی، نسبی اور رضاعی اور قریبی رشتہ داروں اور دور کے عزیزوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا ہے، حد یہ ہے کہ شرعی اور غیر شرعی تعلق کو بھی ایک سطح پر فرض کیا گیا ہے اور اسی بنیاد پر ان کو مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس ''مساوی فلسفۂ حقوق'' کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر ایک کی حق تلفی مساوی جرم ہو اور اس پر سزا بھی مساوی ہو، چنانچہ اس بِل میں سب کی سزا مساوی ہے اور ایک بہت دور

کے عزیز پر چیخنا اور چلانا بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا سگی والدہ پر چلانا جرم ہے اور غیر شرعی رشتے کی پامالی بھی اتنی ہی ناقابلِ قبول ہے جتنی شرعی رشتے کی پامالی ناقابلِ برداشت ہے۔ سزاؤں کی یہ غیر منطقیت اور غیر معقولیت اس غلط بنیاد کی وجہ سے ہے کہ سب کے حقوق برابر فرض کیے گئے ہیں۔

> (چار) ''عدالت'' سے مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت مراد ہے اور جج کو مجموعہ ضابطہ فوجداری کے تحت تمام اختیارات حاصل ہوں گے اس میں تحفظ دینے، خرچہ، معاوضہ یا ہرجہ دینے جیسا کہ منصفانہ اور مناسب ہوگا، اختیار شامل ہے؛

مجسٹریٹ یعنی فوجداری حاکم یا حکومتی انتظامیہ کا غیر فوجی افسر جو ضلع یا اس کے کسی حصے کا حاکم ہوتا ہے اور اسے مجرموں کو سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مجسٹریٹ کی عدالت فوجداری مقدمات میں ابتدائی عدالت ہوتی ہے۔ اس کی قسموں میں سے درجہ اول کا مجسٹریٹ زیادہ اختیارات کا حامل ہوتا ہے۔

مخبر

> (آٹھ) ''مخبر'' سے ایسا شخص مراد ہے جو باوثوق معلومات رکھتا ہو کہ اس ایکٹ کے تحت جرم کا ارتکاب کیا جارہا ہے؛

1- جرائم یا تو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے مشاہدے میں آجاتے ہیں مثلاً گشت کرتے ہوئے جرم وقوع پذیر ہو رہا ہو یا ٹیکنالوجی کی مدد سے انہیں معلومات ملتی ہیں یا لوگ رضاکارانہ اطلاع دیتے ہیں یا پھر اداروں نے خفیہ افراد مقرر کیے ہوتے ہیں، ان سے جو اطلاعات ملتی ہیں انہیں انٹیلی جنس معلومات کہا جاتا ہے۔

2- اس دفعہ کی رو سے کوئی شخص جس کے پاس کسی گھر کے حوالے سے گھریلو تشدد کی

ثقہ معلومات یا اطلاعات ہوں وہ ان معلومات کو مجاز فورم تک پہنچا سکتا ہے۔ ایسا شخص خاندان کا کوئی فرد یا کوئی اجنبی یا انتظامیہ کی طرف سے اس طرح کی اطلاعات دینے پر مامور کوئی شخص ہوسکتا ہے۔

3۔شرعی پہلو سے ملک کو داخلی اور خارجی خلفشار سے بچانے کے لیے اگر سراغ رسانی اور جاسوسی کا کوئی ایسا نظام قائم کیا جاتا ہے جس سے دشمن کی سازشوں سے حفاظت ہو تو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ دشمن کی خبریں کون میرے پاس لائے گا اور حضرت زبیر بن العوام کا اپنے کو اس خدمت کے پیش کرنا، نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ نخلہ تک چلے جاؤ، وہاں پہنچ کر مخفی طور پر قریش کے حالات معلوم کرو اور ہمارے پاس خبر لاؤ۔ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ تم جاؤ اور خبر لاؤ کہ کافر کس حال میں ہیں؟ مگر دیکھو! وہاں کسی پر حملہ مت کرنا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں رہ کر مشرکین کے حالات نبی کریم ﷺ کو بھیجنا، ان جیسے بے شمار دلائل کی وجہ سے دشمن کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ایسا کوئی نظام بنانا جائز ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

4۔اگر جرائم پیشہ افراد کی مخبری کی جائے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس کی اطلاع دی جائے تو اس کے شرعی جواز میں بھی کوئی اختلاف معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی سے مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا کھوج لگایا جائے تو درست ہے۔ یہ دراصل جرم کے وقوع سے پہلے اس کے خلاف پیش بندی ہے اور تجسس نہیں ہے جس میں منفی سوچ کے تحت کسی کی برائیوں

کا پتہ لگایا جاتا ہے۔(۱)

5۔اگر آثار و علامات سے کسی کا چپکے چپکے کسی جرم کی تیاری کرنا معلوم ہو تو اس کی ایک صورت ولا تجسسوا کے برعکس تحقیق و تفتیش کی ہے مثلاً کسی ثقہ شخص کی زبانی معلوم ہو کہ کوئی شخص کسی عورت کے پاس خلوت میں زنا کی غرض سے آتا ہے یا کوئی کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں تحقیق و تفتیش اور معاملات کی چھان بین اور روک تھام کی اجازت ہے۔اس کا تعلق جرم کی تیاری کے مراحل سے ہے جو کہ الگ اور تفصیلی بحث ہے۔

6۔کوئی شخص مظلوم ہو مثلاً شوہر بیوی پر شرعی مفہوم میں تشدد کرتا ہو اور وہ خود قانون کو شکایت کر دے تو مظلوم کو فریاد کرنے ،اس کا اظہار کرنے اور اپنے اوپر سے دفع ظلم کے لیے متعلقہ حکام سے مدد لینے کی اجازت ہے۔اسی طرح کسی پر ظلم ہو رہا ہو اور کوئی شخص اس کی رپورٹ کر دے تو مظلوم کی اعانت کے پہلو سے یہ بھی جائز ہے۔بہر حال تشدد شرعی معنی میں تشدد ہو تو متعلقہ ذمہ دار حکام کو خود اطلاع دینے میں یا کسی اور کا انہیں اطلاع کرنے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

7۔تجسس کی اجازت نہیں ہے جس میں کسی کے متعلق برائی سوچی ہوئی ہو اور برائی

---

(۱)وفي الحديث: "لا تحسسوا، ولا تجسسوا قيل: معناهما واحد، وعطف أحدهما على الآخر لاختلاف اللفظين كقول الشاعر: *متى أدن منه ينأ عني ويبعد*
-- وقيل: التجسس - بالجيم - البحث عن عورات النساء.- وبالحاء - الاستماع لحديث القوم، ويروى أن ابن عباس سئل عن الفرق بينهما فقال: لا يبعد أحدهما عن الآخر: التحسس في الخير، والتجسس في الشر. قلت: ويؤيده قوله تعالى حكاية عن يعقوب: " يا بني اذهبوا فتحسسوا من يوسف " - بالحاء -.على القراءة المشهورة، فإنه كان متوقعا لان يأتيه الخبر بسلامة يوسف.وقوله سبحانه: " ولا تجسسوا " - بالجيم - فإن المنهي عنه البحث عن معائب الناس وأسرارهم التي لا يرضون بإفشائها واطلاع الغير عليها. معجم الفروق اللغوية (ص: ١١٨)

کے لیے اس کے حالات کا پتہ لگایا جائے۔قرآن کریم ''لا تجسسوا''(اور کھوج نہ لگایا کرو) فرما کر اس کی ممانعت کرتا ہے۔حدیث میں ارشاد ہے:

إن الامير إذا ابتغى الريبة في الناس افسدهم.(١)

''حاکم جب لوگوں کے معاملات میں بدگمانی اور تہمت پر عمل کرے گا تو انہیں بگاڑ دے گا''۔

إياكم والظن فإن الظن اكذب الحديث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا وكونوا عباد الله إخوانا.(٢)

''(مسلمانو!) بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں، لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو، آپس میں حسد نہ کرو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بغض نہ رکھو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو!

8- اندرون خانہ معاملات کا تجسس اور بند دروازوں کے پیچھے پوشیدہ حالات کی کھوج لگانا جائز نہیں۔مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بار دیوار چڑھ کر ایک شخص کے گھر میں داخل ہوئے اور اسے منکر سے روکا۔اس پر صاحب خانہ نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر میں ایک معصیت کا مرتکب ہوا ہوں تو آپ نے تین باتیں ایسی کی ہیں: اولاً حکم خداوندی ولا تجسسوا کے برخلاف آپ نے جاسوسی فرمائی۔ثانیاً وأتوا البيوت من ابوابها کی صریح حکم کی خلاف ورزی میں دیوار پر چڑھ کر کسی کے گھر میں داخل ہوئے اور ثالثاً لاتدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستاذنو وتسلموا على اهلها کے مطابق آپ

(١) أبوداؤد:٤٨٨٩.

(٢) صحيح البخاري - حديث ٦٧٢٤.

نے سلام نہیں کیا۔اس پر آپ نے اہل خانہ سے توبہ کرا لینے پر اکتفا کیا اور حد جاری نہ کی۔(١)

اس قسم کے ایک اور واقعے میں ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں گشت فرما رہے تھے کہ کسی گھر سے روشنی نظر آئی۔ آپ وہاں پہنچے اور اندر سے اول فول آوازیں سنیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ معلوم ہے کس کا گھر ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا: ربیعہ بن امیہ بن خلف کا ہے اور یہ لوگ اس وقت غالبا پینے پلانے کا شغل کر رہے ہیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے سے رائے لی تو انہوں نے جوابا فرمایا کہ: اللہ تعالی نے تجسس سے منع فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے اور ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔(٢)

9- اسلام کا مزاج پردہ پوشی کا ہے، پردہ دری کا نہیں اور اس کی چاہت سزا سے بچانے کی ہوتی ہے، سزا دینے کی نہیں۔(٣)

یا هزال، لو سترته بردائك لكان خيرا لك.(٤)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادفعوا الحدود ما وجدتم له مدفعا.(٥)

---

(١) تفسير روح البيان، إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، الناشر: دار الفكر - بيروت(٦/١٣٩).
(٢) حوالہ گزشتہ،(٩/٨٧).
(٣) موطأ مالك ت الأعظمي (٥/١١٩٨).
(٤) سنن ابن ماجه (٢/٨٥٠).
(٥) سنن أبي داود ت الأرنؤوط (٧/٢٥٣).

عن عقبة بن عامر، عن النبي -صلى الله عليه وسلم-، قال: "من رأى عورة فسترها كمن أحيا موءودة" [1].

عن ابن عباس أن عمار بن ياسر أخذ سارقا فقال ألا أستره لعل الله يسترني فقال له عمر لقد سترك الله لو سترت نفسك.[2]

دوسرے یہ کہ مغربی اصول قانون کی رو سے جرم ریاست کے حق پر اعتداء (ظلم وزیادتی) ہے مگر شریعت میں حقوق کی تقسیم ہے، ایسا کوئی فعل جو بندے کا حق ہو یا بندے کا حق اس میں غالب ہو اس میں صاحب حق کو اپنا حق معاف کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اس لیے اگر اندورن خانہ کوئی فعل وقوع پذیر ہوجاتا ہے جس کا تعلق حق العبد سے ہے یا حق العبد اس میں غالب ہے تو ضرر رسیدہ شخص کو اس میں معافی دینے کا حق ہے چنانچہ اہل خانہ انتظامیہ کے علم میں لائے بغیر اندرون خانہ ہی بہت سے ایسے افعال کے متعلق صلح وصفائی اور عفو درگزر سے کام لے سکتے ہیں جن کا تعلق ان کے حقوق سے ہو اور ان کو تاکید بھی یہی ہے مگر اس بِل کی کوشش خانگی معاملات کو اہل خانہ کی مرضی کے خلاف عدالتی سطح پر لے جانا ہے۔ اس سے چادر اور چاردیواری کا تقدس پامال ہوتا ہے جنہیں شریعت اور آئین دونوں تحفظ دیتے ہیں، اس کے علاوہ اس کا بڑا نقصان یہ ہے کہ انتظامیہ کو گھریلو معاملات میں مداخلت کا حق مل جاتا ہے، شاید یہی قانون سازوں کا مقصد ہے، اسی لیے بِل میں جرم کو قابِل دست اندازی پولیس قرار دیا گیا ہے۔

---

(1) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد (٢٣/ ١٣١).

(2) فتح المنعم شرح صحيح مسلم (١٠/ ٣٢٦).

گھر کی تعریف

"(سات) "گھر" سے ایسا گھر مراد ہے جہاں متضرر شخص رہتا ہو یا کسی بھی مرحلے پر آیا کہ اکیلا یا مسئول الیہ کے ہمراہ گھریلو تعلق میں رہ چکا ہو اس میں مذکورہ گھر شامل ہے، خواہ ملکیتی ہو یا متضرر شخص اور مسئول الیہ کی جانب سے مشترکہ طور پر کرایہ پر لیا گیا ہو یا ان میں سے ایک کی جانب سے ملکیتی ہو یا کرایہ پر لیا گیا ہو، کوئی بھی ایسا گھر جس کی نسبت متضرر شخص یا مسئول الیہ یا دونوں مشترکہ طور پر یا اکیلے کوئی حق، حقیت، مفاد یا نسبت رکھتے ہوں اور اس میں ایسا گھر شامل ہے جو کہ مشترکہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مسئول الیہ رکن ہو، اس حقیقت سے قطع نظر کہ آیا مسئول الیہ یا متضرر شخص مذکورہ شراکت شدہ گھر میں حق، حقیت، مفاد رکھتا ہو۔"

فوجداری قانون کی روح یہ ہوتی ہے کہ اس میں جرم کسے قرار دیا گیا ہے؟ اور اس پر سزا کیا تجویز کی گئی ہے؟ اس بِل میں "گھریلو تشدُّد" کو جرم قرار دیا گیا ہے، مگر اس کو سمجھنے سے پہلے "گھر" پھر "گھریلو تعلق" کو سمجھنا ضروری ہے، اس کے بعد گھریلو تشدُّد کو سمجھا جا سکتا ہے۔ گھر کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ جہاں ستم رسیدہ رہتا ہو یا اکیلے یا مسئول الیہ کے ہمراہ گھریلو تعلق میں رہ چکا ہو۔ اس کے بعد گھر کی تعریف میں عموم پیدا کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ:

2:- گھر خواہ دونوں کا مملوکہ ہو یا دونوں کی طرف سے کرایہ پر لیا گیا ہو یا کسی ایک کا مملوکہ ہو یا کسی ایک نے کرایہ پر لیا ہو۔

3:- دونوں یا کوئی ایک اس میں کوئی حق، حقیت یا مفاد رکھتے ہوں۔

4:- خاندان میں سے کسی اور کا گھر ہو، مگر مسئول الیہ وہاں رہتا ہو، خواہ مسئول الیہ یا

متضرر میں سے کوئی اس میں کوئی حق، حقیت یا مفاد رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مثلاً مدعی علیہ کے والدین کا گھر ہو۔ گھر کی تعریف کے بعد اب گھریلو تعلق کی تعریف ملاحظہ کیجیے۔

گھریلو تعلق

> ''(پانچ) ''گھریلو تعلق'' سے اشخاص کے درمیان تعلق مراد ہے جو گھر میں اکٹھے رہتے ہوں، یا کسی بھی وقت رہ چکے ہوں اور خواہ ہم نسبی، شادی، قرابت داری، تبنیت کی رو سے تعلق رکھتے ہوں، یا خاندان کے اراکین اکٹھے رہ رہے ہوں یا کسی بھی دیگر وجہ سے عارضی طور پر یا مستقل طور پر ایک مقام پر رہائش پذیر ہوں۔''

گھریلو تعلق کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں :

1:- ایک سے زائد اشخاص ہوں ۔اشخاص کی تعریف بِل میں نہیں ہے، اس لیے مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان کی تعریف لاگو ہوگی، مجموعہ کی رو سے شخص کی تعریف میں مرد، عورت، بچہ اور شخص غیر حقیقی (ایسوسی ایشن، انجمن) وغیرہ بھی شامل ہے۔

2:- ان کے درمیان نسب، زوجیت، قرابت یا تبنیت کا رشتہ ہو۔

3:- یا لوگ خاندان کے ممبران کے طور پر وہاں رہتے ہوں۔

4:- یہ اشخاص کسی بھی وجہ سے عارضی یا مستقل طور پر اکھٹے رہ رہے ہوں یا کسی وقت رہ چکے ہوں۔

ان چاروں اجزاء کا حاصل یہ ہے کہ:

''جب دو یا زیادہ افراد ایک مقام پر کسی بھی رشتے سے عارضی یا مستقل طور پر قیام پذیر ہوں یا رہ چکے ہوں تو ان کا تعلق گھریلو تعلق کہلائے گا۔''

اس تعریف سے چند ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو شاید مقننہ کا بھی منشا نہ ہوں، مثلاً:

1:- ایک لمحہ کے لیے جو ساتھ رہائش پذیر رہے ہوں، ان میں بھی گھریلو رشتہ ثابت ہوگا، کیونکہ مدت کی کوئی تحدید نہیں گئی ہے۔

2:- مدعی (متضرر) اور مدعی علیہ (مسئول الیہ) میں مطلق قرابت کافی ہے، خواہ کسی جہت سے ہو، اس لیے بہت دور کے رشتہ دار بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔

3:- حد درجہ عموم کی وجہ سے یہ تعریف درج ذیل صورتوں پر بھی صادق آتی ہے:

الف:- ایک خاندان کے لوگوں نے حج کے موقع پر حرمین کے ہوٹلوں یا منی کے خیموں میں رہائش رکھی ہو، یا

ب:- تفریح کی غرض سے ایک ہوٹل میں قیام کیا ہو، یا

ج:- رشتہ دار تعلیم کی غرض سے ایک ہاسٹل میں رہے ہوں، یا

د:- تجارت یا ملازمت کی غرض سے ایک جگہ اکھٹے رہے ہوں، یا

ھ:- مطلقہ بیوی جو گھر سے نکلنے سے انکار کر رہی ہو، یا

و:- کوئی قریبی رشتہ دار جو کسی وجہ سے ساتھ سکونت پذیر ہو اور اسے گھر چھوڑنے کا کہا ہو، مگر وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو۔

شروع کی تین صورتیں اس وجہ سے تعریف میں داخل ہیں کہ لوگ کسی غرض سے عارضی طور پر ہی سہی ایک مقام پر رہائش پذیر ہوئے ہیں۔ آخری دو صورتوں پر بھی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ تعریف میں حق یا ناحق رہائش کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

گھریلو تعلق کی تعریف میں یہ تفصیل بھی نہیں ہے کہ رشتہ دار کس حیثیت سے ساتھ رہ رہا ہو یا رہا ہو۔ یہ تفصیل نہ ہونے سے اس میں وہ رشتہ دار بھی داخل ہیں:

جو مہمان کی حیثیت سے آئے ہوں، یا

زیارت اور ملاقات کی غرض سے ٹھہرے ہوں، یا

جو کسی ناگہانی ضرورت سے ٹھہرے ہوں، یا

جنہیں انسانی ہمدردی کے تحت کچھ عرصہ کے لیے رہائش دی گئی ہو۔

یہ صورتیں اس وجہ سے داخل سمجھی جاسکتی ہیں کہ تعریف میں وقت، مقام اور حیثیت کی تحدید نہیں ہے۔ یہ اشخاص قانون کے ظاہری الفاظ کے مطابق عرصہ بعید اور مدتِ مدید کے بعد بھی تشدُّد کا دعویٰ کر سکتے ہیں، حالانکہ قانون سازوں کا بھی یہ منشا نہیں ہے اور وہ بھی اس سے اتفاق نہیں کرتے ہوں گے، مگر قانون کے عموم میں یہ صورتیں داخل ہیں۔

بِل کا سنگین پہلو

اس تعریف کا سب سے سنگین اور قابلِ مذمت پہلو یہ ہے کہ یہ غیر شرعی تعلقات کو بھی تحفظ فراہم کرتا ہے۔ تعریف کے ان الفاظ پر غور کیجیے:

''کسی بھی دیگر وجہ سے عارضی طور پر یا مستقل طور پر ایک مقام پر رہائش پذیر ہوں۔''

ان الفاظ کی رو سے اگر اجنبی مرد اور عورت اکھٹے رہ لیتے ہیں تو ان میں گھریلو تعلق ثابت ہوجاتا ہے۔ اس گھریلو تعلق کے قیام کی وجہ سے اگر کوئی ایک دوسرے کے خلاف تشدد کا ارتکاب کرلیتا ہے تو دوسرے کو اسے گھر سے بے گھر کرنے، معاوضہ حاصل کرنے، ٹریکر پہنانے، سزا دلانے اور جیل بھیجنے کا حق مل جاتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں اس بِل میں غیر شادی شدہ جوڑوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور انہیں حقوق فراہم کیے گئے ہیں۔

اس تعریف کی سنگینی ایک اور پہلو سے بھی ہے۔ بِل کے اندر مرد وعورت کے درمیان نہیں بلکہ اشخاص کے درمیان تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔ اشخاص کے درمیان تعلق اس صورت

میں بھی کہلاتا ہے جب ایک عورت عورت کے ساتھ یا ایک مرد مرد کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو۔اس بناء پر اگر کوئی کہے کہ بل میں ہم جنس پرستوں کو بھی حقوق دیے گئے ہیں تو بِل کے الفاظ اس کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔اس کے ساتھ اگر یہ مقدمہ بھی شامل کردیں کہ حق دینے کا مطلب فعل کا قانونی جواز ہے تو ہم جنس پرستی کا دروازہ کھلتا ہوا نظر آتا ہے۔

(پندرہ)''مسئول الیہ'' ایک شخص ہے جو متضرر شخص کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو، یا رہ چکا ہو اور اس ایکٹ کے تحت جس کے خلاف دادرسی مانگی گئی ہو؛

یعنی وہ شخص جس پر گھریلو تشدُّد کا الزام ہو، اور جس کے خلاف دادرسی مانگی گئی ہو، اسے مدعی علیہ، جواب دہ اور اور ملزم سے تعبیر کرسکتے ہیں۔اس بِل میں اسے مسئول الیہ کہا گیا ہے۔

گھریلو تشدد کی تعریف

3-گھریلو تشدد:۔ گھریلو تشدد سے مسئول الیہ کی جانب سے خواتین، بچوں، نادار اشخاص، یا کسی بھی دیگر شخص کے خلاف ارتکاب کردہ جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، جنسی اور معاشی استحصال کے تمام افعال مراد ہوں گے جس کے ساتھ مسئول الیہ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو جو کہ متضرر شخص میں خوفِ جسمانی یا نفسیاتی ضرر کا باعث بنتا ہو۔

اس بِل کی روح اور اس کی سب سے زیادہ متنازع شق یہی گھریلو تشدد کی تعریف ہے۔تعریف سیکولر نظریے پر مبنی ہے اور اس میں حد سے زیادہ عموم ہے۔اس وقت بین الاقوامی ادارے تشدد کی یہی تعریف کرتے ہیں اور ان کے دباؤ پر ہی یہی تعریف قانون میں شامل کی گئی ہے۔

عربی زبان میں تشدُّد کا معنی ''قوی ہونا، سختی کرنا'' ہے۔ہمارے عرف میں اس سے

مراد جسمانی ظلم وزیادتی ہوتا ہے۔ ظلم وزیادتی اگر خاندان کے فرد پر ہو تو بِل میں اسے گھریلو تشدُّد کہا گیا ہے۔ عام طور پر تشدُّد کا مطلب تکلیف پہنچانے کی غرض سے دوسرے کے بدن پر طاقت کا استعمال سمجھا جاتا ہے، اس وجہ سے تشدُّد سے ذہن مار پیٹ اور زدوکوب کرنے کی طرف جاتا ہے۔ اگر کسی کو ضربِ شدید پہنچائی جائے تو اسے ''وحشیانہ اور بہیمانہ'' تشدُّد کہا جاتا ہے، اور اگر ضرب خفیف ہو تو ہلکا پھلکا تشدُّد کہتے ہیں، گویا قوت وطاقت کا استعمال تشدُّد کا لازمی عنصر ہے، مگر مذکورہ بالا تعریف کی رو سے تشدُّد صرف کسی کے جسم پر پُرتشدُّد کارروائی نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ تشدُّد مالی، جذباتی، جنسی اور نفسیاتی بھی ہوسکتا ہے۔

انگریزی میں خواتین پر تشدُّد کے حوالے سے Violence against women کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ Violence کی تعریف آکسفورڈ ڈکشنری میں ایسے پرتشدُّد برتاؤ سے کی گئی ہے جو کسی کو تکلیف پہنچانے یا مارنے کی نیت سے کیا جائے۔ عالمی ادارۂ صحت قرار دیتا ہے کہ: ''جسمانی قوت اور طاقت کا ایسا دانستہ استعمال جو کسی دوسرے شخص یا گروہ کے خلاف ہو، جس کا ممکنہ نتیجہ زخم، موت یا نفسیاتی نقصان کی صورت میں ہو۔'' انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز میں ہے کہ:

> ''معاشرتی پیرائے میں تشدُّد کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ ذاتی یا اجتماعی مقاصد کے حصول کے لیے جسمانی زبردستی طریقوں کا غیر قانونی استعمال کرنا، اس تشدُّد کو عام قوت اور طاقت کے استعمال سے الگ سمجھنا چاہیے، جس کا مفہوم خالصتاً مادی ہوتا ہے اور اس کی خاص سمت اور شدت ہوتی ہے۔''

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے خواتین پر تشدُّد کی تعریف اس طرح کی ہے:

> ''کسی عورت کو جنسی تفریق کی بنا پر تشدُّد کا ایسا نشانہ بنانا جس کے نتیجے میں اسے جسمانی، جنسی اور نفسیاتی اذیت پہنچی ہو یا پہنچنے کا امکان ہو۔ اس میں ایسے عمل کی

دھمکی، جبر یا آزادی سے زبردستی محرومی، خواہ گھر کے اندرنجی زندگی میں ہو یا عمومی زندگی میں، شامل ہے۔"(۱)

اس بِل میں تشدُّ د کی جو تعریف کی گئی ہے، یہی تعریف برطانیہ کے قانون میں بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ کیجیے: UK,Chapter 17Domestic Abuse Act 2021

کینڈا نیو برنس وک کا قانون بھی گھریلو تشدُّ د کی یہی تعریف کرتا ہے:(Chapter (C-5,2017

ان ممالک کے قوانین میں بھی تشدُّ د کو ان ہی پانچ وجوہ (جسمانی، معاشی، جنسی، جذباتی اور نفسیاتی) میں منحصر کیا گیا ہے۔ انڈیا کا قانون" The Protection of "PWDVA,Women from Domestic Violence Act 2005 جو 2005ء میں نافذ ہوا ہے، اس میں بھی یہی ذکر ہے۔ حد یہ ہے کہ تعریف میں استعمال کیے گئے الفاظ (مالی، جنسی، جذباتی تشدُّ د) کی تعریفات بھی ان قوانین میں مشترک ہیں۔ قانون پر عمل درآمد کا طریقہ کار بھی ان میں تقریباً یکساں ہے اور سزائیں بھی وہی تجویز کی گئی ہیں جو اس بِل میں بیان کی گئی ہیں، مگر اس طرح کے قوانین کے نفاذ کے بعد بھی وہاں خواتین پر تشدُّ د روز افزوں ہے۔ برطانیہ کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پچھلے سال اگر دو لاکھ خواتین پر تشدُّ د ہوا تو اس سال تین لاکھ چھیانوے ہزار خواتین تشدُّ د کا نشانہ بنیں۔ امریکہ کے اعداد و شمار تو اور زیادہ سنگین ہیں، ہر تین میں سے ایک عورت اور ہر چار میں سے ایک مرد تشدُّ د کا شکار ہوا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جو قانون مغربی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہے، وہاں کے ماحول کے مطابق ہے اور قانون پر عمل درآمد کے لیے مؤثر ادارہ جاتی نظام بھی موجود ہے، وہاں یہ قانون تشدُّ د کو روکنے میں ناکام ہے تو پاکستان میں یہ قانون مطلوبہ اہداف

---

(۱) اصطلاحی تعریفات کے لیے ملاحظہ کیجیے: خواتین پر تشدُّ د، اسلامی اور قانونی نقطہ نظر، جہات الاسلام، جلد: 13 (جولائی، دسمبر 2019ء) شمارہ: 1، ص: 161۔

کیسے حاصل کر سکے گا؟

تشدُّد کی تعریف میں مغربی اداروں اور ملکوں کے حوالے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بِل میں تشدُّد کو علی الاطلاق قابلِ تعزیر جرم اس وجہ سے قرار دیا گیا ہے کہ مغربی ممالک اور بین الاقوامی ادارے اُسے جرم قرار دیتے ہیں۔ یہ ممالک جنون کی حد تک اپنی تہذیب وثقافت کا غلبہ چاہتے ہیں، یہ خود دین دار نہ بھی ہوں، مگر اپنے دین کے بارے میں شدید تعصُّب رکھتے ہیں، اس جنون، تعصب اور سیاسی اور معاشی غلبہ کی وجہ سے یہ ہر جگہ خاص طور پر اسلامی ممالک میں اپنے کلچر کا فروغ چاہتے ہیں، کیونکہ صرف اسلام ہی ان کا حقیقی حریف ہے۔

جسمانی تشدد

اس بِل کی رو سے تشدُّد پانچ قسم کا ہوسکتا ہے، پہلی قسم جسمانی تشدد ہے، جس کا حاصل کسی کو جسمانی اذیت دینا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> توضیح اول: اس دفعہ کی اغراض کے لیے:۔
>
> (الف) ''جسمانی استحصال'' سے مراد تمام افعال جن کے ذریعے سے نادار شخص کو جسمانی ضرر دیا گیا ہو اور اس میں مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے ابواب سولہ الف، سترہ، بیس، بیس الف کے تحت تمام جرائم شامل ہیں۔ بعد ازیں جن کا حوالہ اس دفعہ میں پی پی سی (PPC) کے طور پر دیا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ''تعزیراتِ پاکستان'' میں جسمانی ضرر کے متعلق جو جرائم مذکور ہیں، ان کو گھریلو تشدد کے جرم میں بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ آگے دفعہ 4 میں سزا کے بیان میں قرار دیا گیا ہے کہ اگر جرم تعزیراتِ پاکستان کے تحت آتا ہو تو اسی کے تحت سزا دی جائے

گی اور اگر اس کے تحت نہ آتا ہو تو اس بِل کے تحت سزا دی جائے گی۔

تعزیرات پاکستان کے جن ابواب کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ حبس بے جا، مداخلت بے جا، جبر مجرمانہ، حملہ، لے بھاگنا، زنا، خلاف وضع فطری عمل، مال کے متعلق جرائم، دغا، فریب، نقصان رسانی، ازدواج اور خاص عورتوں کے متعلق جرائم پر مشتمل ہیں۔

اس بِل میں جو سزائیں تجویز کی گئی ہیں ان پر ضروری بحث تو دفعہ 4 میں آئے گی جو خاص سزاؤں کے بیان کے بارے میں ہے البتہ یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اگر کوئی جسمانی فعل تعزیرات پاکستان کے ان ابواب کے تحت جرم نہ ہو مگر اس بِل کے تحت جرم ہو تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ مثلاً شوہر یا باپ یا گھر کے سربراہ نے حق تادیب استعمال کیا ہو جس کی مناسب قیود وشروط کے ساتھ اجازت ہے اور جس میں آخری چارہ کار کے طور پر جسمانی قوت کے استعمال کی بھی نوبت آجاتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے خیال میں یہ بِل حقِ تادیب، حقِ تربیت اور ازالہ منکر کے شرعی حق پر قدغن لگاتا ہے، جس کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

1:- والد اور اس کی غیر موجودگی میں دادا یا وصی کو بچوں پر اور قرآن کریم کی صریح نص کے مطابق شوہر کو بیوی کے متعلق حقِ تادیب حاصل ہے، اس لیے اگر والد، دادا، یا اُن کے وصی کا عمل یا شوہر کا عمل دائرۂ تادیب کے اندر ہو تو اُسے قابلِ تعزیر جرم نہیں قرار دیا جاسکتا اور اگر تادیب اپنی حدود وقیود میں نہ ہو تو اس پر سزا کا نفاذ درست ہے۔

2:- یہ دفعہ اپنے عموم کی وجہ سے حقِ تعلیم وتربیت کے بھی خلاف ہے۔ علم دینے کو تعلیم اور اخلاق کی درستگی کو تربیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ از روئے شرع والدین پر اولاد کی تعلیم وتربیت کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تعلیم وتربیت کے لیے اگر زبانی تنبیہ وسرزنش کافی نہ ہو تو آخری چارۂ کار کے طور پر مناسب جسمانی سزا کی ضرورت پڑتی ہے۔ حدود وقیود کے

اندر مناسب جسمانی سرزنش کی اجازت جس طرح والد کو ہے، اس طرح اس کے وصی کو اور پھر دادا اور اس کے وصی کو، اسی طرح معلم اور مربی کو بھی حاصل ہے۔ عقل و دانش کا تقاضا بھی یہ ہے کہ والدین یا اولیاء پر کوئی ذمہ داری عائد کی جائے تو نتائج کے حصول کے لیے انہیں درکار قوت کے استعمال کی بھی اجازت دی جائے۔

3:- اس دفعہ میں تیسرا سقم ابہام کا ہے کہ جسمانی ضرر کی کیفیت یا مقدار کو واضح نہیں کیا گیا ہے۔

4:- چوتھا سقم یہ ہے کہ گھر کے سربراہ سمیت ایک عام مسلمان کو بھی خاص شرائط کے تابع ازالۂ منکر کے لیے درکار قوت کے استعمال کا حق ہے، مگر اس دفعہ میں اسے بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس سے لازم آتا ہے کہ معاصی کے ارتکاب پر سوائے ریاست کے کسی کو تعزیری سزا دینے کا حق نہیں ہے، حالانکہ انہیں یہ حق حاصل ہے۔

جذباتی، نفسیاتی اور زبانی تشدد

(ب) ''جذباتی، نفسیاتی اور زبانی استحصال'' جہاں متضرر شخص مسئول الیہ کے ہتک آمیز یا ذلت آمیز برتاؤ کے طرزِ عمل میں مبتلا ہو اور اس میں شامل ہے لیکن اس تک محدود نہ ہوگا۔

اس شق میں جرم کی دوسری اور تیسری قسم جذباتی اور نفسیاتی تشدّد کا بیان ہے۔

1:- قرآن حکیم میں ہے کہ: ''وکان الانسان اکثر شيئ جدلا'' (انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے) ''خصیم مبین'' (کھلا جھگڑالو) کے الفاظ بھی انسان کے متعلق قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی سرشت میں جھگڑے کا مادہ ہے، پھر جب غربت، جہالت اور معاشی ناہمواری اور گھریلو غیر ہم آہنگی بھی ہو تو لامحالہ

کنبے کے افراد چڑچڑے پن اور بدخلقی کا شکار ہو جاتے ہیں، چنانچہ اگر گھرانہ زیورِ تعلیم سے آراستہ، تہذیب وشائستگی کا نمونہ، مالی طور پر خوشحال، نیک سیرت اور خوش خصال بھی ہو، پھر بھی افراد مختلف طبائع، متضاد خواہشات اور متنوع جذبات کے مالک ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ساتھ رہنے بسنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی باتوں سے ذہنی کوفت، قلبی کدورت اور دماغی تشویش ہو ہی جاتی ہے، شاید ہی کوئی گھرانہ اس سے محفوظ ہو، مگر اس قسم کی بدخلقی یا بدسلوکی کو بھی قانون کے دائرے میں لاکر قابلِ سزا قرار دے دیا گیا ہے۔ جن مغربی ممالک میں اس نوع کے قوانین رائج ہیں، وہاں بھی ہر قسم کی بدسلوکی کو قابلِ تعزیر جرم نہیں قرار دیا گیا ہے، مگر کیا کیجیے کہ! کبھی نقل، اصل سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

2:- یہ بل متضاد امور پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے برتاؤ کا تعلق حسنِ سلوک سے ہے اور حسنِ سلوک کا تعلق اخلاقیات کے ساتھ ہے اور اخلاقیات کا مادہ قلب میں پایا جاتا ہے۔ قلب کی اصلاح کا نام تربیت ہے اور تربیت کے لیے تادیب کی ضرورت ہے اور تادیب میں ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔ اب اس قانون کا تضاد یہ ہے کہ ایک طرف حسنِ اخلاق کی خلاف ورزی جرم ہے جس پر سزا ہے اور سزا کا مطلب یہ ہے کہ قانون کو بدخلقی کی ضد یعنی حسنِ اخلاق مطلوب ہے، دوسری طرف حسنِ اخلاق کی تعلیم ممنوع ہے، کیونکہ تادیب ممنوع ہے اور تادیب کا مقصد حسنِ اخلاق ہی کا حصول ہے۔ تادیب کے علاوہ تعزیری سزاؤں کا مقصد بھی اصلاح وتربیت اور تہذیبِ نفس ہے۔

دراصل اسلامی سزاؤں کا مقصد صرف تخویف، عبرت آموزی اور زجر وتوبیخ نہیں، بلکہ مجرم کی اصلاح وتربیت اور اس کو ہدایت ونصیحت اس میں سرفہرست ہے، تاکہ لوگ صرف سزا کے خوف سے نہیں بلکہ خوفِ الٰہی، اس کی رضا کے حصول اور جرم سے قلبی نفرت کی وجہ سے

اس کے ارتکاب سے باز رہیں، کیونکہ جرم معصیت ہے اور معصیت حدود اللہ سے تجاوز ہے اور حدود اللہ سے تجاوز اللہ پاک کے غضب اور ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ ''کنز'' کی شرح ''تبیین الحقائق'' میں ہے کہ:

> ''تعزیری سزا، اصلاح و تادیب کے لیے دی جاتی ہے۔''(۱)

فصول استروشنی میں ہے:

> ''تعزیری سزا، اصلاح و تادیب کے لیے ہوتی ہے، البتہ حد میں یہ ضروری نہیں ہے کہ تادیب مقصود ہو۔''

امام ماوردی رحمہ اللہ ''الأحكام السلطانية'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تعزیر کا مقصد تادیب، حکمت عملی اور زجر و توبیخ ہے۔''(۲)

:-3 جس بچے کو بری صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے والدین نے ڈانٹا ہو یا جس بیوی کو شوہر نے ٹوکا ہو یا جو جوان بیٹی رات گئے اجنبی شخص کی گاڑی سے اُتر کر گھر میں داخل ہوئی ہو اور باپ نے اس سے پوچھ گچھ کی ہو تو کیا اسے انسانیت سوز اور توہین آمیز برتاؤ قرار دیا جائے؟

:-4 اگر ایک شخص سخت اور مسلسل بدسلوکی کا شکار ہے اور اس وجہ سے اپنے روزمرہ کے معمولات انجام دینے سے قاصر ہو جائے، مثلاً ایک عورت گھر کے کام کاج اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کا فریضہ انجام نہ دے سکے اور مرد روزمرہ کے کام کرنے کے قابل نہ رہے تو اسے یقیناً نفسیاتی ضرر کہا جا سکتا ہے مگر صرف ذہنی کوفت اور دماغی اذیت کو نفسیاتی ضرر قرار دینا درست نہیں ہے، اگر ان چیزوں کو نفسیاتی ضرر کہا جائے تو پھر گھرانے کا جو فرد وقت مقررہ پر گھر نہیں پہنچتا یا دسترخوان لگنے کے بعد کھانے میں تاخیر سے شرکت کرتا ہے یا گھر

---

(۱) ج:3، ص:211، طبع اول 1313ھ۔

(۲) (ج:3، ص:244)۔

میں مشتر کہ استعمال کی کوئی چیز اس کی مخصوص جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ رکھ دیتا ہے وہ بھی دوسروں کو ذہنی اذیت دیتا ہے اور اس بِل کے تحت جرم کا مرتکب ہے۔

یہ فیصلہ کہ کوئی شخص نفسیاتی اذیت میں مبتلا ہے ماہرِ نفسیات کا کام ہے۔ کوئی عورت یا بچہ یا کوئی اور شخص خود یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ وہ نفسیاتی ضرر کا شکار ہوا ہے اور نہ ہی جج یہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔

ماہرینِ نفسیات میں سے بھی سائیکاٹرسٹ (Psychiatrist) نہیں، بلکہ سائیکالوجسٹ (Psychologist) اس کا تعین کرسکتا ہے کہ مدعی ذہنی اذیت کا شکار ہے یا نہیں؟ اور صرف وہی اس کی رپورٹ جاری کرسکتا ہے۔ سائیکالوجسٹ پاکستان میں اعداو وشمار کے مطابق پانچ لاکھ افراد کے لیے ایک ڈاکٹر بھی نہیں ہے۔ سائیکالوجسٹ کو بھی مرض کا کھوج لگانے کے لیے مریض کے ساتھ کئی نشستوں کی ضرورت پڑتی ہے، جس میں بسااوقات مریض کے اہلِ خانہ کو بھی بلانا پڑتا ہے۔ ان تمام مراحل کے بعد عین ممکن ہے کہ مدعی کسی اور وجہ سے ذہنی اُلجھن اور نفسیاتی عارضہ کا شکار ہو جس میں احساسِ محرومی، خوف، فکرمندی وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔

(اول) حسد یا رقابت میں مبتلا رکھنے کا متواتر مظاہرہ کرنا جو ستم رسیدہ کی خلوت، آزادی، اخلاقی بلندی اور سلامتی پر متواتر چڑھائی کا باعث بن رہا ہو۔

یعنی اولاد یا خاندان کا کوئی اور فرد نجی زندگی میں کیا کرتا ہے، کیا پہنتا ہے، کہاں اُٹھتا بیٹھتا ہے، کن لوگوں سے میل ملاقات رکھتا ہے، کیا مشاغل اور کیا ارادے ہیں، سربراہ کو یا کسی اور کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ آزادی اور خلوت میں دخل اندازی ہے۔ جوان بیٹا باپ ہی کے گھر میں دیگر خواتین کی موجودگی میں کسی غیر محرم خاتون کے ساتھ خلوت

میں ہے تو کسی کو پوچھنے، روکنے یا ٹوکنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ خلوت میں بے جا دخل اندازی ہے۔ انا اللہ

(سوم) دھمکی دیتا ہو جو زوجہ یا شراکت شدہ گھر کے دیگر اراکین میں فطری تکلیف کا باعث بنتا ہو۔

دھمکی اگر ناحق نہ ہو تو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں کثرت سے وعیدیں ذکر ہیں اور ''انذار و تبشیر'' اس کا خاص اسلوب ہے۔ ہماری مقننہ اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے؟

انبیاء کرام علیہم السلام جب دعوت و اصلاح کا کام شروع کرتے ہیں تو بعض طبائع کو سخت ناگوار گزرتا ہے، یہاں تک کہ انبیاء کرام کے قتل کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں تو کیا نیکیوں کی ترویج اور برائی کی روک تھام کو اس وجہ سے چھوڑ دیا جائے کہ سرکش طبائع کو ناگوار گزرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نیک خصلت کو برائی سے نفرت ہوتی ہے تو بدخصلت کا بھی نیکی سے دم گھٹتا ہے، مگر صرف اس وجہ سے اصلاح و تذکیر کو نہیں چھوڑا جا سکتا کہ کج طبّیعت کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ بعض اوقات اصلاحِ حال کے لیے تخویف کی تدبیر سے کام لینا پڑتا ہے، مگر اسے دھمکی نہیں بلکہ علاج تصور کیا جاتا ہے۔ اسی حکمت کے تحت مختلف قوانین میں سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے جو دراصل دھمکیاں ہی ہوتی ہیں، مگر قانون ساز کبھی بھی اُسے خلافِ مصلحت یا عقل نہیں قرار دیتے ہیں۔

الغرض اگر گھر کے دو چار افراد معاصی میں مبتلا ہوں اور گھر کا کفیل انہیں ڈراتا دھمکاتا ہے اور نتائجِ بد سے آگاہ کرتا ہے یا لڑکا بری صحبت میں بیٹھتا ہے، نشہ کرتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور باپ اسے خرچ بند کرنے یا گھر میں محبوس رکھنے کی دھمکی دیتا ہے تو دین و دانش کی رو سے

اُسے غلط نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

(چہارم) دیوانگی یا ناپیداواری کی بے بنیاد اتہام پر طلاق دینے یا دوسری شادی کرنے کی دھمکی دیتا ہو۔

سوال یہ ہے کہ:

1:- جب اصل فعل یعنی طلاق دینا جرم نہیں ہے تو بانجھ پن یا دیوانگی کی وجہ سے طلاق کی دھمکی کیسے جرم ہو سکتی ہے؟

2:- اگر کسی کو طلاق کی دھمکی دینے کا حق نہیں ہے تو اسے طلاق دینے کا حق بھی نہیں ہونا چاہیے، حالانکہ طلاق کا حق تو شوہر کو شرعاً اور قانوناً حاصل ہے۔

3:- اگر شوہر کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے تو اسے دوسرے نکاح کی اجازت ہونی چاہیے۔ اگر دوسرا نکاح جرم ہے تو قانون نے مشروط ہی سہی اس کی اجازت کیوں دی ہے؟

4:- فرض کیجیے کہ شوہر کے بجائے بیوی کی طرف سے شوہر کو دھمکی ہو، مثلاً وہ دھمکی دے کہ وہ شوہر کا گھر چھوڑ جائے گی یا وہ بذریعہ عدالت خلع حاصل کر لے گی یا نکاح فسخ کر دے گی تو اسے جرم نہیں قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اگر شوہر نے بیوی کو حقِ طلاق تفویض کیا ہو اور بیوی اس حق کو استعمال میں لانے کی دھمکی دیتی ہو تو اُسے بھی جرم نہیں کہا گیا ہے۔ اس طرح یہ دفعہ عدمِ مساوات پر مبنی ہے، حالانکہ آئین قرار دیتا ہے کہ شہریوں سے بلاتفریقِ جنس و صنف یکساں سلوک کیا جائے گا اور قانون کا نفاذ سب پر مساوی ہوگا۔

5:- اگر بیوی شوہر کا گھر چھوڑ جائے تو شوہر کو اعادہ حقوقِ زن شوئی کے تحت عدالت سے دادرسی کا حق ہے، مگر وہ قانون کتنا مؤثر ہے اور اس کے نتائج کیا ہیں؟! دنیا اس سے

واقف ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر بیوی اندرونِ خانہ ایسا رویہ رکھتی ہے جو صرف حسنِ معاشرت ہی کے خلاف نہ ہو، بلکہ اس سے مقاصدِ نکاح بھی فوت ہوتے ہوں تو قانون میں شوہر کے لیے کیا دادرسی ہے؟

6:- فاترالعقلی ، پاگل پن اور بانجھ پن کے بے بنیاد الزامات اگر شوہر کی طرف سے قابلِ سزا ہیں تو عورت کی ساری طاقت سمٹ کر اس کی زبان میں جمع ہوجاتی ہے اور وہ زبان سے تیز خنجر کا کام لیتی ہے۔کیا اس کے بے بنیاد اتہامات، سنگین الزامات اور ناروا اقدامات پر کوئی سزا تجویز کی گئی ہے؟ یا فرض کرلیا گیا ہے کہ قصوروار ہمیشہ مرد ہی ہوتا ہے۔

(پنجم) شراکت شدہ گھر کی عورت یا کسی بھی رکن کے کردار پر جھوٹا الزام لگا رہا ہو۔

اس دفعہ میں کئی وجوہ سے کلام ہے:

اول:- اس کے لیے قانونِ قذف موجود ہے۔

دوم:- اگر عورت کے کردار پر سنگین الزام ہو تو اس کے لیے لعان کی کارروائی ہے۔

سوم:- قانون، یکطرفہ، امتیازی اور جانب داری پر مبنی ہے۔اگر یہی طرزِ عمل عورت کی جانب سے ہو تو قانون میں اس کا کیا سدِ باب کیا گیا ہے؟

چہارم:- سربراہ کو اگر فیملی کے رکن کے متعلق کردار کی پستی کا علم ہوجائے اور وہ اس مقصد سے اس کے سامنے اس کا اظہار کردے، تاکہ وہ دوبارہ اس کے ارتکاب سے باز رہے تو اس سے کوئی شرعی محظور لازم نہیں آتا ہے۔رہا ثبوت! تو عائلی زندگی میں ایسے اُمور کے عدالتی ثبوت نہیں تلاش کیے جاتے، بلکہ شرفاء بیرونِ خانہ اس کا اظہار بھی ناپسند کرتے ہیں۔

(ششم) متضرر شخص کی جان بوجھ کر یا غفلت سے عدم خبر گیری کرتا ہو۔

یہ شق دانستہ یا غیر دانستہ بے توجہی برتنے اور لاپرواہی کرنے کے بیان میں ہے، مثلاً:

چھوڑ جانا، دیکھ بھال نہ کرنا، مناسب خوراک و پوشاک یا محفوظ رہائش فراہم نہ کرنا وغیرہ۔

اس شق میں کئی خامیاں ہیں، مثلاً:

1:- غفلت کی معمولی سے لے کر شدید تک کئی قسمیں ہیں۔ یہ بِل مغربی قانون کا چربہ ہے مگر مغربی ممالک میں بھی غفلت کی ہر صورت جرم نہیں ہے، مگر یہ بِل علی الاطلاق ہر قسم کی بے توجہی کو جرم قرار دیتا ہے۔

2:- کینیڈا و غیرہ ممالک میں خاندان کے ایک فرد کو دوسرے فرد کی دیکھ بھال کا فرض یا ڈیوٹی ٹو کیئر (Duty to care) کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور ریاست اسے اخراجات اور دیکھ بھال کا معاوضہ بھی فراہم کرتی ہے۔ ایسا شخص اگر ذمہ داری کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے یا ناکام رہتا ہے تو اسے جرم گردانا جاتا ہے۔ ہمارے قانون سازوں نے ان کی نقل میں بے توجہی کو جرم تو قرار دے دیا ہے، مگر یہ دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ وہاں ریاست کس چیز کو لاپرواہی کہتی ہے اور کب اسے جرم قرار دیتی ہے۔

3:- جس شخص کو خبر گیری نہ کرنے پر سزا دی جا رہی ہے، کیا خبر گیری اس کی ذمہ داری بھی ہے؟ ایک شخص الف ہے جس کی شادی شدہ بیٹی ہے جو ناحق روٹھ کر الف کے گھر بیٹی ہے۔ الف اس سے بے اعتنائی برتتا ہے تاکہ بیٹی شوہر کے گھر جا بسے اور اس کا گھر آباد ہو جائے۔ الف اپنے رویے میں شرعاً حق بجانب ہے، اس وجہ سے بھی کہ زوجین کا دوبارہ ملاپ ہو جائے اور اس وجہ سے بھی کہ نکاح کے بعد اس کی بیٹی کی کفالت اس کے ذمہ نہیں بلکہ شوہر کے ذمہ ہے مگر اس قانون کی رو سے الف مجرم ہے کہ غفلت برتتا ہے۔ الف اور اس کی زوجہ کے درمیان علیحدگی ہو گئی ہے دونوں کی بالغ بیٹی ہے جو ماں کے ساتھ سکونت رکھتی ہے ماں اس کی خبر گیری نہیں کرتی تو مجرم سزاوار نہیں ہے کیونکہ بیٹی کی معاشی کفالت اور اس کے ناموس

کا تحفظ باپ کی شرعی ذمہ داری ہے بِل کی رو سے ماں قصوروار ہے کہ غفلت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ان دونوں مثالوں سے واضح ہے کہ قانون کی رو سے ایک شخص سزا کا مستوجب ہے جب کہ شرع شریف کی رو سے وہ اس قانون کی تعمیل کا ذمہ دار ہی نہیں ہے۔الف تنبیہ اور سرزنش کے پہلو سے اپنے بیٹے ''ب'' سے بے توجہی برتتا ہے اور اسے یومیہ سے زیادہ خرچ نہیں دیتا ہے تا کہ وہ اپنے برے افعال سے باز آ جائے،الف کا رویہ جائز اور مستحسن ہے مگر بِل کی نظر میں وہ قانون شکن ہے۔غیر شادی شدہ جوڑا جو کچھ عرصہ اس بِل کے مفہوم میں گھریلو تعلق میں رہا ہو پھر ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی خبر گیری نہیں کرتا ہے تو اس بِل کی رو سے ایک نے دوسرے کے خلاف تشدد کا ارتکاب کیا ہے اور وہ قابل سزا ہے۔

4:- اس شق میں Abandonment (عدم خبر گیری،ترک،دست برداری) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔عائلی قوانین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو بحالت عدم خبر گیری چھوڑ دے۔اگر والدین میں سے کوئی یا بچے کا محافظ بچے کو قطع تعلق کی نیت سے کسی جگہ ڈال دے یا چھوڑ دے تو Child abandonment ہونے کی وجہ سے یہ بھی قانوناً جرم ہے۔

ازروئے شریعت اگر شوہر بیوی کی خبر گیری نہیں کرتا ہے تو اسے نفقہ کے حصول کا حق ہے،اور اگر اس کے ساتھ سکونت کر کے غائب ہو جاتا ہے تو وہ نالش دائر کر کے خاص شرائط کے تابع نکاح منسوخ کر سکتی ہے،لیکن جب کسی کی کفالت وحفاظت واجب نہ ہو تو اس سے بے توجہی برتنا قابلِ سزا جرم بھی نہیں ہے۔

5:- اگر نابالغ یا نابالغہ کی پرورش و تربیت کسی پر واجب ہے اور وہ اس سے غفلت برتتا ہے تو حقِ پرورش دوسرے قریب تر رشتہ دار کو منتقل ہو جاتا ہے،مگر اسے جرم مستوجبِ تعزیر

قرار دینا درست نہیں۔اصل میں حق حضانت (پرورش) ایک رضا کارانہ عمل ہے، البتہ جب کوئی اور اس ذمہ داری کو اُٹھانے والا نہ ہو یا ہو مگر اہلیت نہ رکھتا ہو تو پھر قریب تر رشتہ دار پر اس کا وجوب عائد ہو جاتا ہے۔

6:- اگر لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال سے زائد کی ہے تو قریب تر ولی پر اس کی کفالت واجب ہے اور ولی کو بزور وجبر کفالت پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص شرعی ولی نہیں ہے تو اسے مجبور کیا جا سکتا ہے نہ ہی سزا دی جا سکتی ہے۔

7:- جن لوگوں کی ضروریات کی فراہمی کسی شخص پر واجب ہو اور وہ اس میں ناکام نہ رہتا ہو، مگر کسی فرد کی طرف فطری میلان یا قلبی رجحان نہیں ہے تو اسے لاپرواہی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

8:- بعض اوقات بے توجہی بلکہ لاتعلقی ضروری ہو جاتی ہے، مثلاً کسی فرد کے برے افعال کی وجہ سے اگر سربراہِ خانہ یا تمام اہل خانہ اس سے لاتعلقی اختیار کرتے ہیں تو اسے عدم خبر گیری قرار دے کر قابلِ سزا جرم نہیں گردانا جا سکتا۔ بہت دفعہ شریعت یہ تجویز کرتی ہے کہ کسی سے معاشرتی بائیکاٹ کر لیا جائے۔نصوصِ شرع میں نہ صرف اس کی اجازت ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا شرعی وجوب کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

9:- اگر فیملی کے ایک ممبر نے پوری فیملی کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور اس وجہ سے فیملی اس کا بائیکاٹ کرتی ہے تو کیا پوری فیملی کو سزا دی جائے گی؟ اگر سب کو جرم کا مرتکب قرار دیا جائے تو حقیقی مجرم گھر میں اور مظلوم فیملی پوری کی پوری جیل میں ہو گی اور اگر سب کو قید و بند کے ساتھ جرمانے کی سزا بھی دی جائے تو فیملی دیوالیہ اور حقیقی مجرم کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔اگر صرف فیملی کے سربراہ کو سزا دی جائے گی تو قانون کے یکساں نفاذ

کا آئینی اصول فوت ہوتا ہے اور یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے کہ اس بِل کے حملوں کا ہدف خاندان کا سربراہ ہی کیوں ہے؟!۔

حقوقِ نسواں تحریک کی نظر میں تشدّد کا ذمہ دار خاندان ہے، اس لیے خاندان کو ختم ہونا چاہیے۔ خاندان اس وقت ختم یا کمزور ہوگا جب اس کے مرکزی ستون کو گرادیا جائے گا۔ خاندان کا مرکزی ستون سربراہِ خاندان ہوتا ہے، اس وجہ سے اس بِل کی دفعات کا خاص نشانہ سربراہ ہے، تاکہ حملوں کی تاب نہ لاکر یا تو وہ خود ہی سربراہی سے تائب ہوجائے یا وہ برائے نام سربراہ رہ جائے۔ دونوں صورتوں میں حملہ آوروں کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔

10:- (الف) اس بِل میں تضادات نظر آتے ہیں۔ ایک طرف یہ خاندان کے ادارے کو غیر مستحکم کرتا ہے تو دوسری طرف اسی ادارے سے زبردستی خیر کا طالب ہوتا ہے، مثلاً: اس پر ان افراد کی خبرگیری بھی ضروری ہے جو شریعت میں اس پر واجب نہیں ہے اور اس کی معاشی کفالت بھی ضروری ہے، حالانکہ سوائے بیوی کے ہر شخص اپنے اخراجات کا خود ذمہ دار ہے، بشرطیکہ مالدار ہو اور اگر مالدار نہ ہو مگر لڑکا ہو اور کمانے کے قابِل ہو تو اس کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے۔ نفقہ میں صرف جیب خرچ ہی نہیں بلکہ نفقہ غذائی ضروریات، رہائش اور لباس و پوشاک سب کو شامل ہے۔

(ب) ایک طرف یہ بِل کسی بلند اخلاقی معیار کے نہ ہونے پر سزا دیتا ہے تو دوسری طرف اخلاقی بلندی کے حصول کا ہر راستہ بند کرتا ہے۔

(ج) ایک طرف ذمہ دار کی حیثیت (منصبِ قوّامیت) کی نفی کرتا ہے اور قوّام کو اختیارات سے محروم کرتا ہے، دوسری طرف قوّام (سربراہ) کو ہی موردِ طعن اور اسی پر ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ مختار نہیں تو ذمہ دار کیوں اور اگر وہ ذمہ دار ہے تو مختار کیوں نہیں؟

یا (نہم) بیوی کو شوہر کے علاوہ کسی بھی فرد کے ساتھ مقاربت کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔

(الف) بیوی کے علاوہ بھی خاندان کے کسی رکن کو کسی کے ساتھ ناجائز جنسی تعلق قائم کرنے پر مجبور کرنا ناجائز ہے، اس میں بیوی کی خصوصیت نہیں۔ صرف مقاربت ہی نہیں، بلکہ اس سے ہلکے افعال جیسے دیکھنے اور چھونے پر جبر کرنا بھی حرام ہے۔

(ب) شوہر کو بھی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ جنسی فعل پر مجبور کرنا جرم ہے، بلکہ مرد کو مرد کے ساتھ اور عورت کو عورت کے ساتھ تعلق پر مجبور کرنا بھی حرام ہے۔ یہ تمام صورتیں بھی اگرچہ ناجائز ہیں، مگر بل کے الفاظ ان کا احاطہ نہیں کرتے ہیں، ان کو داخلِ جرم کرنے کی ضرورت شاید اس لیے محسوس نہیں کی گئی ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ناجائز جبر صرف مرد ہی کرتا ہے اور صرف بیوی ہی اس کے جبر و اکراہ کا نشانہ بنتی ہے۔

(ج) زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس دفعہ کو دفع کر دیا جائے، کیونکہ ان افعال کی سزائیں دیگر قوانین میں موجود ہیں۔ اگر موجود نہیں ہیں تو صرف اتنے الفاظ مقصد کے بیان کے لیے کافی ہیں کہ ”کسی کو کسی کے ساتھ ناجائز جنسی فعل پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔“

(د) خاندانی قوانین کے بیان میں اس دفعہ کی ضرورت اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک سخت بدکردار شخص بھی اپنی زوجہ، اولاد اور اقارب کے لیے بدکرداری کو پسند نہیں کرتا ہے، چہ جائیکہ اس کو مجبور کرتا ہو۔

جنسی زیادتی

(ج) ”جنسی زیادتی“، میں جنسی نوعیت کا کوئی بھی طرز عمل جو کہ نادار شخص یا کسی بھی دیگر شخص کی حرمت کی آبروریزی کرتا ہو، تذلیل کرتا ہو، تحقیر کرتا ہو یا بصورت دیگر خلاف ورزی کرتا ہو، شامل ہیں۔

اس دفعہ میں حد درجہ ابہام ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

1:- اگر فعلِ زنا مستوجبِ حد ہو تو دفعہ 5 (جرمِ زنا (نفاذِ حدود) آرڈیننس'' کے تحت قابلِ سزا ہے۔ اگر فعل موجبِ تعزیر ہے تو تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 509 (عفت میں دخل اندازی یا جنسی ایذادہی کا باعث ہونا) دفعہ 354 (عورت کی عفت کی بے حرمتی کرنے کے لیے حملہ یا جبر مجرمانہ) اور دفعہ A354 (کسی عورت پر مجرمانہ حملہ یا جبر مجرمانہ) کے تحت قابلِ سزا ہے۔ اگر کوئی اور فعل مراد ہے تو پھر اس کی تعریف و تشریح ضروری تھی۔

2:- اگر بیوی کے علاوہ کسی پر جنسی حملہ مراد ہے جس میں ایک شخص دوسرے شخص کو اس کی مرضی کے بغیر شہوت سے چھوتا ہے یا ہم بستری سے جبراً کوئی عمل کرتا ہے تو شرعاً قابلِ تعزیر جرم ہے، خواہ جنسی حملہ ہم جنس پر ہو یا مخالف جنس پر ہو اور متضرر شخص کی رضامندی شامل ہو یا شامل نہ ہو۔

3:- پڑوسی ملک ہندوستان کی سپریم کورٹ نے قرار دیا تھا کہ زنا بالجبر (Rape) کا اطلاق شادی شدہ جوڑوں پر نہیں ہوتا، پھر کیرالہ ہائی کورٹ نے قرار دیا کہ بیوی کے جسم کو اپنی ملکیت سمجھنا اور اس کی مرضی کے خلاف اس سے مباشرت کرنا ''جبراً جنسی عمل'' (Marital Rape) ہے اور اس بنا پر بیوی علیحدگی کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ بعض مغربی ممالک میں بیوی کے ساتھ زبردستی جنسی تعلق قائم کرنا قابلِ تعزیر جرم ہے، جسے ازدواجی آبروریزی (Marital Rape) کہا جاتا ہے۔ کچھ ملکوں میں جنسی تشدد سے یہ بھی مراد لیا جاتا ہے کہ عورت جنسی تعلق پر تو رضامند ہو، مگر کسی خاص طرح کے فعل پر راضی نہ ہو یا اس کے ساتھ کوئی غیر محفوظ یا ذلت آمیز جنسی عمل کیا جائے یا جب وہ رک جانے کا کہے اور مرد فعل جاری رکھے۔ اس طرح کے قوانین کے پیچھے وہی تحریکِ نسواں اور اس کے خیالات اور ''میرا جسم میری

مرضی'' جیسے نعرے کارفرما ہیں کہ شوہر بھی بیوی کو جنسی تعلق کے لیے مجبور نہیں کر سکتا ہے۔

اسلام میں زوجین کو ایک دوسرے کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا حق ہے۔ قرآنی احکامات اس بارے میں بالکل واضح ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ''جب وہ پاک ہو جائیں تو آؤ ان کے قریب جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔'' اور ارشاد ہے: ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں تو آؤ ان کے پاس جیسے چاہو۔ [البقرۃ:223]

احادیث میں جماع کو صدقہ قرار دیا گیا ہے، اگر بیوی انکار کرے تو اس کے فعل کو باعثِ لعنت کہا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ تنور پر بھی ہو تو اسے شوہر کی جنسی تسکین کر لینی چاہیے۔

فقہ کی رو سے اگر بیوی نابالغہ ہے مگر اس کی صحتِ جسمانی ایسی ہے کہ جماع کے قابِل ہے اور مرض کا اندیشہ نہیں تو اس سے جماع جائز ہے، اگر چہ اس کی عمر نو سال سے کم ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ بوجہ لاغری و کمزوری جماع کا تحمل نہ کر سکتی ہو اور بیماری کا خدشہ ہو تو اس سے تعلق زن شوئی کا قیام ناجائز ہے، اگر چہ اس کی عمر زیادہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ حیض یا نفاس کی حالت میں ہو یا بیمار ہو یا شوہر سوکن کے سامنے اس سے وظیفۂ زوجیت کا مطالبہ کرتا ہو تو اسے انکار کا حق ہے۔[۱]

معاشی استحصال

(د) ''معاشی استحصال'' میں معاشی یا مالیاتی ذرائع سے دانستہ محرومی یا مذکورہ ذرائع تک رسائی جاری رکھنے میں ممانعت یا پابندی شامل ہے جس میں متضرر شخص کو فی الوقت نافذ العمل کسی بھی قانون یا رسم و رواج کے تحت مستحق کیا گیا ہو۔

(۱) دیکھئے: الفتاوی الھندیۃ، ج:7، ص:38۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:3، ص:128)

1:- زوجین ایک دوسرے کے مال پر کس قدر حق رکھتے ہیں؟ اس بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ رشتۂ زوجیت کی وجہ سے شوہر کو بیوی کے مال وجائیداد پر اور بیوی کو سوائے نفقہ کے شوہر کے مال پر کوئی استحقاق ثابت نہیں ہوتا، اس لیے اگر زوجین ایک دوسرے کے معاشی ذرائع یا جائیداد پر قابض ہوتے ہیں تو غاصب ٹھہرتے ہیں۔ یہی حال دیگر اعزہ اور اقرباء کا بھی ہے کہ اولاد کو والدین سے اور والدین کو اولاد سے اور رشتہ دار کو قریب تر رشتہ دار سے خاص شرائط کے تابع نفقہ ملتا ہے، مگر ملکیت ہر ایک کی جدا ہوتی ہے اور خاندان کا کوئی رکن دوسرے رکن کو اس کی ملکیت سے مستفید ہونے سے محروم نہیں کرسکتا ہے۔ اگر قانون کا دائرہ اس حد تک ہے تو درست ہے اور شریعت اس سے متفق ہے۔

2:- اس دفعہ کے مطابق کسی کو ایسے مالی حق سے محروم کرنا یا اس میں رکاوٹ بننا جرم ہے، جس کا وہ قانون یا رسم ورواج کی رو سے حق رکھتا ہو۔ یہ دفعہ شرعی پہلو سے اس وقت درست ہوسکتا ہے جب قانون اور رسم ورواج دونوں کے ساتھ یہ اضافہ کیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کے منافی نہ ہوں۔ اگر یہ قید نہ بڑھائی جائے تو بسا اوقات قانون یا رسم ورواج کے تحت ایک شخص ضرر رسیدہ ٹھہرتا ہے، مگر شریعت کی رو سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی قانون یا رسم کو شریعت پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، مثلاً:

الف:- قانون کی رو سے بیوی ملازمت کا حق رکھتی ہے اور شوہر اسے روکنے کا مجاز نہیں ہے، مگر از روئے شرع شوہر اسے منع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ شریعت اور قانون کے اس اختلاف کی وجہ سے اس بِل کی رو سے بیوی کو شوہر کے خلاف چارہ جوئی کرنے اور ہرجانہ وصول کرنے کا حق ہوگا، مگر از روئے شرع وہ یہ حق نہیں رکھتی ہے، البتہ شوہر پر اس کی معاشی کفالت واجب ہے۔

ب:-شوہر صرف بیرونِ خانہ ہی بیوی کو روکنے کا مجاز نہیں ہے، بلکہ وہ اندرونِ خانہ بھی بیوی کو ایسی صنعت وحرفت سے روک سکتا ہے جس سے اُسے عار لاحق ہوتی ہو یا اس کے حقوق متاثر ہوتے ہوں۔آگے ان کی تفصیل آتی ہے۔

3:- اگر لڑکی نابالغہ ہے تو اس کا نان ونفقہ باپ پر ہے اور باپ ولی ہونے کی حیثیت سے اسے حصولِ معاش کے لیے نکلنے سے منع کرنے کا مجاز ہے، کیونکہ لڑکیاں مردوں کی حریص نگاہوں کا نشانہ بنتی ہیں۔اگر بالغہ ہے تو وہ خودمختار ہے،مگر فسادِ زمانہ اور معاشرتی انحطاط کی وجہ سے باپ کو اس پر ولایت ضم حاصل ہے اور باپ اسے اپنے ساتھ سکونت پر مجبور کرسکتا ہے۔باپ نہ ہوتو دادا اور پھر دیگر اولیاء کو بھی یہ حق حاصل ہے۔اس میں عورت کا معاشی استحصال بھی نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ محتاج ہے تو نکاح ہونے تک اس کی ضروریات کا بندوبست باپ پر اور اس کے بعد قریب تر رشتہ دار پر لازم ہے۔

4:- بیوی اندرونِ خانہ کوئی معاشی سرگرمی رکھتی ہو جس سے شوہر کے حق میں خلل پڑتا ہو یا اسے تکلیف ہوتی ہو تو شوہر اسے روک سکتا ہے،مثلاً:

(1) بیوی گھر کے اندر ہی کسی کو کوئی علم یا فن سکھاتی ہو یا گھر کے اندر ہی دست کاری،سلائی، کڑھائی یا کسی اور صنعت میں مشغول رہتی ہو،جس سے شوہر کے متعلق ذمہ داریوں میں فرق آتا ہو

(2) یا بیوی کے عمل کی وجہ سے شوہر کو تکلیف ہوتی ہو،مثلاً کام کی بدبو ہو یا گندگی ہو، یا

(3) بیوی کے عمل کی وجہ سے اس کی صحت گرتی ہو اور وہ لاغری وکمزوری کا شکار ہوتی ہو، یا

(4) جس کام کی وجہ سے اس کے حسن و جمال میں فرق آتا ہو۔

(5) جو کام فی نفسہ مباح ہو، مگر شوہر کے لیے باعثِ عار ہو، مثلاً پرائے بچے کو دودھ پلاتی ہو، جب کہ وہ معزز خاندان سے ہو، یا

(6) بیوی نفقے کی مد میں سے کچھ بچا لیتی ہے، جس سے اس کے جمال میں فرق آتا ہے یا صحت گرتی ہے۔

ان تمام صورتوں میں شوہر بیوی کو منع کر سکتا ہے اور اگر بیوی نہ مانے تو وہ گناہ گار ہوگی، مگر قانون کی رو سے چونکہ اس کا معاشی نقصان ہے، اس لیے شوہر اسے منع کا حق نہیں رکھتا ہے۔

5:– عائلی قوانین کی رو سے چچاؤں کی موجودگی میں بھی یتیم پوتا دادا کے مال میں حقِ وراثت رکھتا ہے، مگر قرآن وسنت کی رو سے وہ یہ حق نہیں رکھتا ہے۔

6:– ہمارے معاشرے میں والد بالغ لڑکوں کی بھی کفالت کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس سمیت بہو اور پوتوں پوتیوں کی بھی کفالت کرتا ہے، مگر اسے والد کا احسان اور اسلامی معاشرے کا حسن تو کہہ سکتے ہیں، لیکن یہ بیٹے یا اس کے کنبے کا لازمی حق نہیں ہے۔ اگر باپ ایسا نہ کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

7:– عام طور پر بڑا بیٹا والد کے حینِ حیات والد کا کاروبار سنبھالتا ہے اور اسی سے اپنی ضروریات بھی پوری کرتا ہے یا والد اس کے اخراجات کا تحمل کرتا ہے، مگر جب تک والد بطور شریک اسے شامل نہ کرے یا معاہدۂ ملازمت کے تحت اسے اجیر نہ رکھے، اس وقت وہ کاروبار کے اثاثوں یا منافع میں کوئی استحقاق نہیں رکھتا ہے۔ اگر باپ اسے کاروبار سے بے دخل کرتا ہے یا کاروبار کے فوائد سے اسے محروم رکھتا ہے تو اسے حقِ دعویٰ نہیں ہے کیونکہ جب

اس کا کوئی ذاتی سرمایہ نہیں لگا ہے اور اس سے معاہدہ شرکت یا معاہدہ ملازمت بھی نہیں ہے تو اس کی حیثیت محض معاون اور مددگار کی ہے جس پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے مگر اس سے اس کا کوئی مالی حق باپ کے ذمہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

8:- اولاد میں سے جو مال رکھتے ہوں یا نرینہ اولاد میں سے جو کمانے کے قابل ہوں، ان کے اخراجات باپ کے ذمہ نہیں رہتے ہیں، مگر والد ان کے اخراجات اٹھاتا ہے۔ اگر والد ان کے اخراجات روک دے یا کوئی شخص دور کے کسی رشتہ دار کی کفالت کرتا ہو جو اس کے ساتھ سکونت بھی رکھتا ہو اور اس کے بعد وہ کفالت کا سلسلہ روک دے تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

9:- اگر والدین تنگ دست ہوں اور اولاد غنی ہو تو اولاد کا مال والدین کا مال سمجھا جاتا ہے اور اولاد بھی اسے اپنی سعادت سمجھتی ہے، شرعی قانون کی رو سے اگر والدین محتاج ہیں تو اولاد کے مال میں صرف ضروریات کا حق رکھتے ہیں اور ضرورت کے بقدر اولاد کے مال میں سے اولاد کی اجازت کے بغیر بھی وصول کر سکتے ہیں، مگر اولاد کا مال ان کا مملوکہ نہیں ہے، کیونکہ ملکیت ہر ایک کی جدا جدا ہے۔

10:- شوہر اپنے اور بیوی کے نام سے جوائنٹ اکاؤنٹ کھولتا ہے اور صرف وہی اس میں اپنا مال جمع کرتا ہے۔ قانون کی رو سے دونوں ہی رقم نکالنے کا استحقاق رکھتے ہیں، مگر شرعاً جمع شدہ رقم شوہر ہی کی ہے۔

11:- ملازمین کو کچھ فنڈز اپنے اہل خانہ میں کسی کے نام کرنے کا حق ہوتا ہے جو ملازم کا صواب دیدی اختیار ہوتا ہے اور اس میں تبدیلی کا بھی وہ حق رکھتا ہے، مگر اس بِل کی رو سے اسے یہ حق نہ ہونا چاہیے کیونکہ متضرر شخص کو مالی مفاد سے محروم کرنا ہے۔

الغرض ان صورتوں میں قانون اور رسم ورواج کے تحت ایک شخص دوسرے کے مال میں حق رکھتا ہے، مگر شریعت کی رو سے نہیں رکھتا ہے، اس لیے ابتدا میں کہا گیا کہ قانون اور رسم کے ساتھ شریعت کی قید بڑھانا ضروری ہے۔

توضیح دوم:- تعین کرنے کی غرض سے کہ آیا مسئول الیہ کا کوئی بھی فعل، ترک فعل، ارتکاب یا طرز عمل اس دفعہ کے تحت "گھریلو تشدد" کو تشکیل دیتا ہے تو معاملے کے تمام تر حقائق اور حالات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

''تاتریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود'' صرف بیانِ حلفی جمع کرانے یا کوئی مواد پیش کرنے کے بعد جب عدالت ذلت آمیز عبوری سزائیں نافذ کردے گی، اس کے بعد اگر حقائق اور حالات کا جائزہ لے بھی لیا جائے تو مدعا علیہ کی تسکین کس طرح ہوگی؟ جب سرِ بازار بوڑھے والد کو ایک مرتبہ رسوا کر دیا جائے تو پھر حقائق کی چھان بین اس کے لیے معنی نہیں رکھتی۔

افسوس کہ ہماری مقننہ رشتوں کی حساسیت سے ناواقف ہے۔ رشتے دھاگے سے زیادہ کچے اور شیشے سے زیادہ نازک ہوتے ہیں۔ کچے دھاگے گرہ سے پھر کب مضبوط ہوتے ہیں؟ اور شیشے کی دراڑ پڑنے کے بعد پھر کب ختم ہوتی ہے!؟

سزائیں

4-سزا:- (1) اگر پی پی سی (PPC) کے تحت آنے والے کسی جرم کا ارتکاب گھریلو تعلق میں کیا گیا ہو جرائم قابِل سزا ہوں گے۔ جیسا کہ پی پی سی (PPC) کے تحت فراہم کئے گئے ہیں۔

(2) اگرارتکاب شدہ جرم پی پی سی (PPC) کے تحت نہ آتا ہوتو گھریلوتشدد کے فعل میں زیادہ سے زیادہ تین سال کی مدت کے لیے قیدِ محض کی سزا دی جائے گی اور یہ ارتکاب شدہ گھریلوتشدد کے فعل کی کثافت پرانحصار کرتے ہوئے چھ ماہ سے کم نہ ہوگی، اورایک لاکھ روپے جرمانہ اورکم سے کم بیس ہزارروپے متضرر شخص کوتلافی کے طور پر بھی ادا کیا جائے گا۔

(3) جرمانے کی ادائیگی سے قاصر ہونے پرعدالت تین ماہ کی قیدِ محض دے سکے گی۔

(4) جوکوئی بھی گھریلوتشدد کے جرم کے ارتکاب کرنے میں مدد یااعانت کرتا ہوتو جرم کی بابت فراہم کردہ اسی سزا کا مستوجب ہوگا۔

12-مسئول الیہ کی جانب سے عبوری یاحکم تحفظ کی خلاف ورزی پرتعزیر:-

(1) مسئول الیہ کی جانب سے حکم تحفظ یا عبوری حکم یاحکم رہائش یاحکم تحویل کی خلاف ورزی ایک جرم ہوگی جوایک سال تک سزائے قید اورمع ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا کا مستوجب ہوگا جوکہ متضرر شخص کوادا کیا جائے گا۔

(2) مجموعہ قانون میں شامل کسی امر باوصف اس دفعہ کے تحت جرم قابل دست اندازی، قابل ضمانت اورقابل راضی نامہ ہوگا۔

اس بل میں دوقسم کی سزاؤں کا ذکر ہے:

ایک وہ سزائیں ہیں جوعبوری اورعارضی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جوحتمی اورقطعی ہیں اورسماعت کے اختتام پرعدالت صادر کرتی ہے۔

اس دوسری قسم میں درج ذیل سزائیں شامل ہیں:

1:- اگرجرم تعزیراتِ پاکستان کے تحت قابلِ سزا ہوتو اسی کے تحت سزا دی جائے گی۔

2:- اگر تعزیرات پاکستان کے تحت نہ آتا ہو تو تشدد کے فعل پر کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین سال قیدِ محض ہوگی، ایک لاکھ جرمانہ ہوگا اور اس سے قاصر رہنے کی صورت میں تین ماہ مزید قیدِ محض بھگتنا ہوگی۔ بیس ہزار زرِ تلافی کی صورت میں متضرر شخص کو ادا کرنا ہوں گے۔

3:- جرم میں معاونت کرنے والے کی بھی یہی سزا ہوگی۔

4:- عارضی احکامات کی خلاف ورزی پر ایک سال قید اور ایک لاکھ جرمانہ ہوگا جو متضرر کو ادا کیا جائے گا۔[دفعہ 12(1)]

دوسری قسم عارضی سزاؤں کی ہے۔ عارضی سزائیں وہ ہیں جو عدالت قانونی چارہ جوئی کے درمیان اور قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے جاری کرسکتی ہے، ان کا حاصل چار سزائیں ہیں:

1:- احکامِ تحفظ (Protection orders)

2:- حکمِ رہائش (Residence orders)

3:- مالی امداد (Monetary relief)

4:- تحویلی احکامات (Custody orders)

ان سزاؤں پر تبصرے سے پہلے کچھ اصولی نکات کا بیان ضروری ہے:

1:- اسلامی اور مغربی قوانین میں صرف جزئیات کا نہیں، بلکہ اصولوں کا اختلاف ہے۔ اصولوں کے اختلاف کی وجہ سے ممکن نہیں ہے کہ جزئیات میں اختلاف نہ ہو۔

2:- مجموعہ تعزیرات پاکستان کے جن ابواب کا اس بِل میں حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے بعض دفعات ایسی ہیں جن میں شرعی سقم پایا جاتا ہے اور وفاقی شرعی عدالت نے چند سال پہلے مختلف اہل علم اور اداروں سے اس بارے میں شرعی رائے بھی دریافت کی تھی جو معزز

عدالت کو پیش کر دی گئی تھی۔

3:- سزا جرم پر ہوتی ہے مگر جب کوئی فعل یا ترکِ فعل جرم نہ ہو تو اس پر سزا نہیں دی جاسکتی۔اس بِل میں جرم کی تعریف میں بہت سے ایسے افعال کو شامل کیا گیا ہے جو محض حسن سلوک یا حسن معاشرت کے خلاف ہیں جیسا کہ جذباتی اور نفسیاتی تشدد پر تبصرہ کرتے ہوئے گزر چکا ہے۔

4:- اصولِ قانون میں اختلاف کے باوجود شرعی اور مغربی نظامہائے قانون اس پر متفق ہیں کہ جرم اور سزا میں توازن ہونا چاہیے،مگر اس بِل میں توازن اور اعتدال کے اصول کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔

5:- جو افعال جرم نہیں ان میں سزا کے نفاذ کے وقت یہ بِل بعض بنیادی حقوق کو بھی سلب کر دیتا ہے،جس کی تفصیل بِل کی تمہید کا جائزہ لیتے وقت گزر چکی ہے۔

6:- اس بِل میں قطعی اور حتمی سزائیں تو جرمانہ اور قید ہے،مگر عبوری سزائیں کئی پہلوؤں سے قطعی سزاؤں سے زیادہ سخت ہیں، کیونکہ ایک تو تعداد میں زیادہ ہیں، دوسرے ہمہ جہت اور ہمہ پہلو ہیں،مثلاً مالی ومعاشی ،سماجی ومعاشرتی،نفسیاتی وذہنی وغیرہ۔تیسرے ملزم کو رسوا کرکے رکھ دیتی ہیں،اس پہلو سے انسانیت سوز اور ذلت آمیز بھی ہیں اور ہماری مسلمہ اسلامی اور معاشرتی اقدار کو پامال کرتی ہیں۔مزید یہ کہ ان عبوری سزاؤں میں سے بعض ایسی ہیں کہ مدعی (شکایت کنندہ) کی اجازت کے بغیر اٹھائی نہیں جاسکتی ہیں۔

7:- اگر اس بِل میں جرم اور سزا کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رائی کا پربت اور بات کا بتنگڑ بنایا گیا ہے،ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر افعال ایسے ہیں جو یا تو جرم ہی نہیں ہیں یا اتنے بڑے جرائم نہیں ہیں کہ ان پر اس قدر سزائیں دی جائیں یا ان کے لیے اتنا بڑا انظام

قائم کیا جائے اور جو جرائم ہیں ان کے لیے دیگر قوانین میں سزائیں موجود ہیں۔

8:- جو شخص تشدد کے جرم میں مدد و اعانت کرتا ہے اسی کی بھی وہی سزا ہے جو تشدد کرنے والے کی ہے۔ تعزیرات پاکستان میں اس مقصد کے لیے دفعہ 34 اور دفعہ 109 قائم ہیں مگر شرعی پہلو سے ان دونوں دفعات میں سقم ہے۔

گھر میں رہنے کا حق

6- گھر میں رہنے کا حق:۔ (1) فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوصف، متضرر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ شراکت شدہ گھر میں رہے، خواہ متضرر شخص اس میں کوئی حق، حقیت یا حق استفادہ رکھتا ہو یا نہ ہو۔

(2) متضرر شخص گھر میں، یا عدالتی حکم کے تحت مالیاتی وسائل کے مطابق مسئول الیہ کی جانب سے انتظام کی گئی متبادل رہائش گاہ میں، یا کسی بھی سروس فراہم کنندہ کی جانب سے انتظام شدہ پناہ گاہ میں رہنے کی بابت چناؤ کر سکے گا۔

ذیلی شق (1) کے تحت اگرچہ متضرر اس گھر میں کوئی ملکیت، شرکت، اجارہ، رہن اور قرض وغیرہ کی صورت میں کوئی حق نہ رکھتا ہو اور کسی اور نافذ العمل قانون کے تحت اسے نکالا جا سکتا ہو، پھر اسے اس گھر میں رہائش کا حق ہوگا۔ اس کے ساتھ دوسری ذیلی شق کو ملانے سے حاصل یہ بنتا ہے کہ متضرر کو تین مقامات میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حق ہوگا:

1:- وہ گھر جس میں جرم وقوع پذیر ہوا ہے، اگرچہ مدعی اس میں کوئی حق نہ رکھتا ہو۔

2:- وہ متبادل رہائش گاہ جس کا انتظام مدعا علیہ کر کے دے۔

3:- حکومتی پناہ گاہ/ دار الامان/شیلٹر ہوم

4:- دفعہ کی ذیلی شق ج کی رو سے وہ کسی رشتہ دار یا دوست کے گھر بھی رہ سکتا یا رہ سکتی

ہے بلکہ کسی بھی محفوظ جگہ میں رہ سکتا یا رہ سکتی ہے۔

اس سے جو خرابیاں لازم آئیں گی وہ کچھ اس نوع کی ہوں گی:

1:- اگر گھر ملزم کا ہو تو یہ دفعہ اس کو مزید طیش اور اشتعال دلانے کا سبب بنے گی، یعنی متضرر کو گھر میں رہنے کا حق دینا گویا مزید تشدد کو دعوت دینا ہے۔ اس طرح بجائے ختم ہونے کے مزید گھریلو جھگڑے جنم لیں گے۔

2:- اگر متضرر کوئی ایسا شخص ہو جو اس گھر میں حقِ سکونت ہی نہ رکھتا ہو، مثلاً:

سوتیلی یا رضاعی اولاد، یا

اپنی یا اولاد کے سسرالی رشتہ دار، یا

مطلقہ جس کی عدت بھی گزر چکی ہو یا

کوئی بوائے یا گرل فرینڈ

الغرض ایسے رشتہ دار جن کو شرعی قانونِ نفقہ کے تحت رہائش دینا مدعا علیہ پر واجب نہ ہو، ان کو اس گھر میں ٹھہرائے رکھنا خود مدعا علیہ کا استحصال ہے۔

3:- مکان جس کا مملوکہ ہے وہ اس میں حقِ تصرف بھی رکھتا ہے، چنانچہ مالک کسی شخص کو بے دخل کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے رہائش دینا شریعت کی رو سے اس پر لازم نہ ہو، مگر یہ دفعہ اس کے حقِ تصرف پر قدغن عائد کرتی ہے۔

4:- اگر متاثرہ فریق کسی کے زیرِ حضانت یا کفالت ہو اور کفالت کنندہ یا حضانت کنندہ کے علاوہ کوئی اور اس پر تشدد کرے یا متاثرہ شخص کسی کی بیوی ہو اور شوہر کے علاوہ کوئی اس پر تشدد کرے تو زیرِ کفالت شخص کی رہائش کا فیصلہ کفالت کنندہ کا حق ہے اور بیوی کی سکونت کے بارے میں شوہر کا قول حرفِ اخیر ہے، مگر مجوزہ بل متاثرہ فریق کو تین جگہوں میں

حقِ انتخاب دیتا ہے۔

5:- اگر متضرر خود ناجائز قابض ہو یا اس نے گھرانے میں مداخلت بے جا کی ہو تو دیگر قوانین کی رو سے اسے فوری بے دخل ہو جانا چاہیے، مگر یہ دفعہ اس کے قبضے کو استقرار بخشتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود مدعی علیہ کو اس گھر سے بے دخل ہونا ہوگا، جیسا کہ آمدہ دفعہ میں قرار دیا گیا ہے۔ اس سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی، ان کا تصور مشکل نہیں ہے۔

6:- متبادل رہائش گاہ کا بندوبست بھی کوئی سہل امر نہیں ہے، لیکن چونکہ متضرر کو اس کے انتخاب کا حق ہے، اس لیے سرکش اور باغی طبائع بے روک آزادی کے لیے یا سرپرستوں کو زچ کرنے کے لیے ایک حیلے کے طور پر اس کا استعمال کریں گی۔

7:- متضرر پناہ گاہ کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ چاروں صوبوں میں اس نوع کے قوانین صرف زیرِ غور نہیں بلکہ نافذ ہو چکے ہیں، وہاں پناہ گاہوں، اولڈ ایج ہومز، کیئر ہاؤسس وغیرہ کی تعداد کتنی ہے؟ اور وہاں کا ماحول کتنا پاکیزہ ہے؟ دارالامان میں عورت کس قدر مامون رہتی ہے؟ اگر اخباری اطلاعات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے حسنِ ظن سے کام لیا جائے اور فرض کیا جائے کہ وہاں یورپ جیسی سہولیات میسر ہیں تو خود یورپ کے عقلاء کیئر ہاؤسز، اولڈ ایج ہومز اور پناہ گاہوں کے سماجی نقصانات کے بارے میں کن نتائج پر پہنچے ہیں، وہ بھی مدِ نظر رکھنے چاہئیں۔

8:- ان حقائق کی روشنی میں اس بِل کے حوالے سے یہ کہنا درست ہے کہ اسے جنون کی حد تک اصرار ہے کہ متضرر کو بہر صورت اجنبی لوگوں، اجنبی ماحول اور اجنبی جگہ میں رکھنا ہے، اسے خاندان سے بہر صورت کاٹ کر رکھنا ہے، ہر ایسا راستہ بند رکھنا ہے جس سے جوڑ کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہو۔

حکم عارضی

7-حکم عارضی دینے کا اختیار:۔ (1)عدالت، اس ایکٹ کے تحت کسی بھی کارروائی میں درخواست دینے کے کسی بھی وقت اور مرحلے پر ایسا حکم عارضی صادر کر سکے گی جسے وہ منصفانہ اور مناسب سمجھے۔

(2)اگر عدالت کو اطمینان ہو کہ درخواست میں بادی النظری ظاہر ہوتا ہے کہ مسئول الیہ گھریلو تشدد کے فعل کا ارتکاب کر چکا ہے یا یہ کہ یہ قرینِ قیاس ہو کہ مسئول الیہ گھریلو تشدد کے فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے، تو وہ عدالت کے روبرو رکھے گئے متضرر شخص کے حلف نامے یا کسی بھی دیگر شہادت یا مواد کی بناء پر حکم جاری کر سکے گی جیسا کہ مسئول الیہ کے خلاف دفعات 9،8 اور 10 کے تحت فراہم کیا گیا ہے۔

حکمِ عارضی سے مراد یہ ہے کہ عدالت قانونی چارہ جوئی کے درمیان اور قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے کوئی حکم جاری کر سکتی ہے بلکہ وہ مدعی کے درخواست پر جب کہ ابھی مقدمے کے دوسری فریق کو اطلاع ہی نہ ہو، اس کے خلاف کوئی حکم جاری کر سکتی ہے۔

1:- ذیلی شق (1) میں عدالت کو صوابدیدی اختیار دیا گیا ہے کہ جیسے وہ مناسب اور منصفانہ سمجھے حکم جاری کر سکتی ہے۔اب جج کے ذہن میں کیا ہے؟ وہ کس طبّیعت کا مالک ہے؟ اور وہ کیا قرینِ مصلحت سمجھتا ہے؟ یہ ملزم کی قسمت پر ہے۔

عدالت سزا دینے میں بے جا سختی یا نرمی کا شکار نہ ہو، اس لیے قانون میں سزا اور اس کی حداقل اور اکثر کی تصریح کر دی جاتی ہے، تا کہ جج افراط وتفریط کا شکار نہ ہو، مگر اس شق میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ بطور تفنن عرض ہے کہ جس قدر سزائیں اس بِل میں تجویز کی گئی ہیں، اس کے بعد کوئی نئی سزا اختراع کرنے میں عدالت کو کافی ذہنی توانائی صرف کرنا ہوگی۔

2:- ذیلی دفعہ (2) میں حکمِ عارضی کی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ مدعی کا حلف نامہ یا کوئی شہادت یا مواد ہوسکتا ہے۔ مدعی کے ذمہ گواہان یا ٹھوس ثبوت کا پیش کرنا ہوتا ہے، محض حلف نامے پر اس نوع کی سزاؤں کا نفاذ جو اس بِل میں درج ہیں انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔

3:- تسلیم کہ شہادت سے مراد دو عادل گواہ ہیں جو تزکیۃ الشہود کے معیار پر بھی پورے اُترتے ہیں۔ اقرار کہ مواد بھی ٹھوس اور قطعی ہے جو قرینہ قطعیہ کا ہم پلہ ہے۔ اعتراف کہ حلف نامہ بھی مبنی بر صدق ہے، مگر پھر بھی یکطرفہ موقف ہے۔ صرف یکطرفہ کارروائی کو ثبوتِ جرم کے برابر قرار دینا اور اس بنا پر ملزم کے ساتھ مجرم جیسا سلوک کرنا شریعت اور قانون کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ پھر اگر مدعی کا حلف نامہ تسلیم ہے تو مدعا علیہ کا کیوں نہیں؟ جب کہ حلف اُٹھانا مدعی کے ذمہ نہیں، بلکہ مدعا علیہ کا فریضہ ہے۔

4:- prima facie (بادی النظر) کے اصول کا استعمال بایں معنی درست نہیں معلوم ہوتا کہ مقررہ سزائیں دور رس اثرات کی حامل ہیں۔ اس کے علاوہ اگر عدالت کی نظر میں قرینِ قیاس ہو کہ جرم کا وقوع ہونے والا ہے تو عدالت انسدادی احکامات صادر کرسکتی ہے، مگر بِل کی سب سزائیں انسدادی نوعیت کی نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ اہم وہ وجوہات ہیں جن سے عدالت قیاس قائم کرتی ہے۔

بہر حال اگر عدالت کی نظر میں محض درخواست سے ظاہر ہو کہ تشدد کا ارتکاب ہوا ہے یا اس کا امکان ہے تو آمدہ تین دفعات کے تحت یکطرفہ طور حکم صادر کرسکتی ہے۔ جن میں پہلا حکم تحفظ اور رہائش کا ہے۔

احکام تحفظ اور رہائش

8-احکام تحفظ اور احکام رہائش:۔(1) عدالت اطمینان کے طور پر کہ گھریلو تشدد بادی النظری میں ایسے مقام پر ہوا ہے یا ایسے مقام پر ہونے کا امکان ہے تو متضرر شخص کے حق میں حکم تحفظ صادر کر سکے گی اور مسئول الیہ کو ہدایت دے سکے گی کہ۔۔۔۔

(الف) مزید گھریلو تشدد کے کسی بھی فعل کا ارتکاب نہ کرے؛

(ب) متضرر شخص کے ساتھ -اعتراضات کے ساتھ یا بغیر-کسی بھی شکل میں یا طریقہ کار میں بشمول ذاتی، زبانی یا تحریری، الیکٹرانک یا ٹیلی فونک یا متحرک ٹیلی فون کے نظام سے کوئی بھی باہمی رابطہ نہ رکھے؛

(ج) متضرر شخص سے اعتراضات کے ساتھ یا بغیر، دور رہے؛

مطلب یہ ہے کہ کسی بھی نوعیت کا اور کسی بھی جہت سے اور کسی بھی ذریعے اور وسیلے سے رابطہ نہ رکھے۔سوال یہ ہے کہ:

1:- جب اس بِل کی دفعہ 12(2) کے تحت جرم قابلِ ضمانت اور قابلِ راضی نامہ ہے تو رابطہ نہ ہونے سے راضی نامہ کیسے ہوگا؟

2:- اس قیاس کے پیچھے کیا ٹھوس حقائق ہیں کہ مدعا علیہ مزید تشدد کی نیت سے ہی متضرر کے قریب جانا چاہتا ہے۔اگر وہ صلح وصفائی اور معافی ودرگزر کی نیت سے جانا چاہتا ہے تو قانون اس میں حائل کیوں ہوتا ہے؟

3:- اگر متضرر کی ناراضگی کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو رابطہ کیے بغیر وہ کیسے دور ہوگی؟

4:- اگر مدعا علیہ کسی اہم تر شرعی یا قانونی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رابطہ کرنا چاہے تو اس کی ممانعت کیوں ہے؟

4:- بِل کا موضوع خاندان کے ارکان ہیں۔ آخر زوجین کو، اولاد اور والدین کو، بھائی اور بہن کو، بھتیجوں اور چچاؤں کو، بھانجوں اور خالہ ماموں کو، پوتوں کو دادا اور دادی سے اور نواسوں کو نانا اور نانی سے بات یا ملاقات سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟ قطع تعلقی تو عام مسلمان کیسے ساتھ بھی جائز نہیں اور رشتہ داروں کے ساتھ تو اور بری اور قطع رحمی میں داخل ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ احکامِ تحفظ کی دفعات مصالحت کے بجائے مخاصمت، جوڑ کے بجائے توڑ، اصلاح کے بجائے خرابی، تقریب کے بجائے تفریق اور صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی پیدا کرتی ہیں۔

(د) متضرر شخص سے ایسے فاصلے پر رہے جیسا کہ عدالت مقدمے کے مخصوص حقائق اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تعین کرے؛

1:- فاصلے کا کوئی تعین نہیں ہے جو قریب اور دور ہو سکتا ہے۔ اگر مدعا علیہ کو شہر بدر یا صوبہ بدر کر دیا جائے تو قانون کے اطلاق میں اس کی گنجائش ہے۔ اگر فاصلہ قریب کا بھی ہو تو آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی ضرور ہے۔

2:- ساس اور سوکن کی اَن بن مشہور ہے اور ماں، بیٹی اور بہنیں بھی آپس میں لڑ پڑتی ہیں، کیونکہ برتن قریب ہوں تو کھنکنے کی آواز آ ہی جاتی ہے۔ اب اگر مقدمۂ خاتون بر خلاف خاتون کا ہو تو کیا مدعیہ خاتون کو شیلٹر ہوم اور مدعا علیہا خاتون کو خانہ بدر کیا جائے گا؟ اگر ان کے سات چھوٹے بچے بھی ہوئے تو وہ ہمراہ ہوں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پرورش اور تربیت بچوں کا شرعی اور قانونی حق ہے جس سے انہیں محروم کیا جا رہا ہے اور اگر ہوں گے تو گھر کا سا سکون اور سہولیات اُن کو کون فراہم کرے گا؟ اور ان کی تعلیم اور دیگر ضروریات کیسے پوری کی جائیں گی؟

3:- فرض کیجیے کہ رحم دل منصف نہ کسی کو دار الامان بھیجتا ہے اور نہ ہی کسی کو خانہ بدر کرتا

ہے، بلکہ فاصلہ رکھنے کا حکم صادر کر دیتا ہے تو چھوٹے چھوٹے گھروں میں ایک خاتون دوسری خاتون سے کتنے فاصلے پر رہے گی؟

بِل کی ان کی خامیوں کے جواب میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ عدالت کو کسی فریق کو استثناء دینے کا حق ہے، کیونکہ دفعہ کا تعلق عبوری حکم سے ہے جو ایمر جنسی قسم کا ریلیف ہے اور مدعا علیہ کو ابھی سماعت کا موقع ہی نہیں دیا گیا ہے۔

> (ہ) کسی بھی پُرتشدد فعل کے لیے یا جس کے پُرتشدد ہونے کا امکان جو متضرر شخص کی زندگی، حرمت یا شہرت کو خطرے میں ڈال سکتا ہو کے لیے اسے GPS ٹریکر، پائل یا کلائی کڑا پہنایا جائے؛

1:- یعنی مردوں کو چوڑی یا پازیب نما زیور پہنایا جائے گا۔ ٹریکر کو چوڑی اور پازیب سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شے مردوں کے لیے ذلت آمیز ہے۔ کیا بیوی کو طلاق کی دھمکی یا تہذیبِ نفس کے لیے اس کی تادیب اتنا سنگین جرم ہے کہ شوہر کو انتہائی خطرناک مجرموں والا کڑا پہنا دیا جائے؟ تعزیراتِ پاکستان کی رو سے اگر کوئی کسی کا سر پھاڑ دے یا پیٹ چیر دے پھر بھی اسے مزید جرم سے باز رکھنے کے لیے یہ سزا نہیں دی جاتی۔ یہاں تو وہ مجرم بھی نہیں بلکہ ملزم ہے اور الزام صرف اس قدر ہے کہ رات باہر گزارنے پر بیٹی سے پوچھتا ہے یا بیٹا مجرموں کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے اس لیے اس کا تعاقب کرتا ہے اور الزام بھی محض الزام ہے، عدالتی ثبوت اس کا نہیں، بلکہ یک طرفہ دعویٰ ہے اور عدالت کے نزدیک بھی جرم ثابت نہیں، بلکہ زمانہ آئندہ میں اس کا احتمال ہے، مگر قانون ساز اسے ہتھکڑی یا بیڑی پہنا رہے ہیں

ع بسوخت عقل زِ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

شریعتِ اسلامی توہین آمیز سزاؤں کی حوصلہ شکنی کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تادیباً جھاڑو

سے یا چپل سے مارنا خصوصاً سر پر ممنوع ہے کہ انتہائی ہتک آمیز ہے۔ اقوامِ متحدہ بھی ذلت آمیز سزاؤں کی ممانعت کرتا ہے۔

عزت اور ذلت کا معیار معاشروں میں مختلف ہوتا ہے۔ ہماری روایات اور ثقافت میں خانگی چپقلش پر خاندان کے معزز رکن یا بزرگ کو یہ سزا دینا یقیناً توہین آمیز اور مقدس رشتوں کی تذلیل ہے۔

(و) کسی پُرتشدد فعل کی صورت میں اگر متضرر شخص کی زندگی، حرمت یا شہرت خطرے میں ہو تو گھر سے باہر چلا جائے۔

1:- مطلب یہ کہ ماں اولاد کی وجہ سے، شوہر بیوی کی وجہ سے، ساس بہو کی وجہ سے، بہن بہن کی وجہ سے، یہاں تک کہ ماموں کے چچا کے نواسے کی وجہ سے بھی سربراہِ خانہ کو گھر سے نکلنا پڑ سکتا ہے۔

2:- یعنی جو مالک ہے وہ گھر سے نکل جائے اور جو مالک نہیں ہے وہ گھر میں ٹھہرا رہے۔

3:- ایک گھرانے میں سربراہِ خانہ اپنی محرم خواتین کے ساتھ رہائش پذیر ہے، ہمدردی کی بنیاد پر ایک دور کے رشتہ دار کو ساتھ ٹھہرا لیتا ہے، پھر سربراہِ خانہ اس دور کے عزیز کے جذباتی یا نفسیاتی تشدد کا مرتکب ہوجاتا ہے، اب اگر سربراہ کو نکال دیا جائے جو گھرانے کا اکیلا کفیل اور محافظ ہے تو کس قدر ناپسندیدہ صورت حال پیدا ہوجائے گی۔ اغلب یہی ہے کہ سربراہ اس متضرر کے خلاف قانون ہاتھ میں لے لے گا۔

4:- اگر خاتون نے خاتون پر تشدد کیا ہو تو ایک خاتون گھر میں محفوظ اور دوسری باہر نکلنے سے غیر محفوظ ہوجائے گی۔ اگر خاتون نے مرد کے خلاف شکایت کی ہو تو اس کی تو زندگی ہی غیر محفوظ ہوجائے گی۔

5:– حرمت اور شہرت کا اسلامی مفہوم مراد ہونا چاہیے۔ آج کل مادیت کے غلبے اور اسلامی اقدار و روایات سے ناواقفیت کی بنا پر ان کا مفہوم کچھ اور قرار دیا جاتا ہے۔

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت حکم میں مزید برآں، یا بصورت دیگر عدالت اطمینان پر کہ گھریلو تشدد ہوا ہے تو کوئی حکم صادر کر سکے گی؛ (الف) مسئول الیہ کو متضرر شخص کے گھر سے بے دخلی پر یا کسی بھی دیگر طریقہ کار میں قبضہ دینے میں پریشان کرنے سے روکنے کے بابت؛

1:– شرعاً اگر مسئول الیہ لے پالک کو، یا

رضاعی اولاد کو، یا

سوتیلی اولاد کو، یا

معتدہ کو جس کی عدت بھی گزر چکی ہو، یا

کسی بھی ایسے شخص کو جس کو اس گھر میں حقِ سکونت نہ ہو، بے دخل کرتا ہے تو اس کا مجاز ہے۔

2:– اگر تنازع گھر کے قبضے کے متعلق ہو اور اسی میں گھریلو تشدد ہوا ہو اور متضرر جائیداد کا جائز مالک نہ ہو تو وہ اس بل کی رو سے گھر کا قبضہ حاصل کر لے گا اور پھر اس سے ناجائز قبضہ بھی بذریعہ قانون چھڑانا ہوگا کیونکہ رائج قانون کی رو سے ناجائز قابض کو بھی قانون کے سہارے ہی بے دخل کیا جا سکتا ہے۔

(ب) مسئول الیہ یا اس کے رشتہ داروں کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی بابت؛

1:– سبحان اللہ! یعنی عدالت عبوری حکم کے ذریعے مدعی علیہ کے رشتہ داروں کو بھی مدعی علیہ کے گھر میں داخل ہونے سے روک سکتی ہے گویا گھر میں صرف مدعی ہوگا اور مدعی علیہ

سمیت بقیہ فیملی کے ممبران کو خانہ بدر ہونا ہوگا۔ دوسری طرف مدعی پر کوئی ایسی قدغن نہیں ہے کہ اس کے دوست اور متعلقین اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس کے کیا کیا ممکنہ نقصانات ہو سکتے ہیں، مقننہ نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔

2:-تشدد کے فعل میں کوئی شریک ہو یا اس نے برانگیختہ کیا ہو یا منصوبہ بندی کی ہو یا مدد اور اعانت کی ہو، اس کے داخلے پر پابندی پھر بھی معقولیت رکھتی ہے لیکن اگر رشتہ دار ایسے ہوں جن کا اس گھر کے علاوہ وہ ٹھکانہ نہ ہو اور وہ تشدد کے مرتکب یا معاون یا شریک بھی نہ ہوں تو ان کے داخلے کو ممنوع قرار دینا ناانصافی ہے۔ اس سے تو مسئول الیہ کے تمام اہلِ خانہ کو گھر سے بے دخل ہونا پڑ سکتا ہے۔

4:-ممکن ہے کہ مقدمے کے حقائق سامنے آنے کے بعد عدالت رشتہ داروں کا داخلہ بحال کر دے مگر ہمارے ہاں انصاف کی ارزانی، فوری فراہمی، ہمہ وقت دستیابی اور سبک رفتاری تو سب کو معلوم ہے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ پورا خاندان ہی مدعی کے خلاف ہو جائے گا۔

(3) عدالت کوئی بھی دیگر ہدایت دے سکے گی جو کہ وہ متضرر شخص یا مذکورہ متضرر شخص کے کسی بچے کو محفوظ کرنے اور تحفظ فراہم کرنے کے لیے مناسب سمجھے۔

دفعہ 2 جو تعریفات پر مشتمل ہے، اس کی ذیلی شق 2 میں ''بچے'' کی تعریف میں قرار دیا گیا ہے کہ جو اٹھارہ سال سے کم ہو اور مسئول الیہ کے ساتھ اس کا گھریلو تعلق ہو، خواہ وہ بچہ سگا ہو یا رضاعی ہو یا لے پالک ہو۔ اگر اس دفعہ میں بچے سے وہی بچہ مراد ہے جو تعریف میں قرار دیا گیا ہے تو اس کا مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو تعلق ہونا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ اس کا مسئول الیہ کے ساتھ نسب، رضاعت یا تبنیت کا رشتہ ہو۔

اگر متضرر کا بچہ مراد ہے، جیسا کہ سیاق سے واضح ہوتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کی

حفاظت و کفالت اس بِل کے تحت مقدمہ درج ہونے سے پہلے مسئول الیہ پر لازم ہے یا نہیں؟ اگر مسئول الیہ پر پہلے سے یہ فریضہ عائد نہ ہوتا ہو تو متضرر شخص کی اولاد کی حفاظت و کفالت کی ذمہ داری براہِ راست متضرر پر ہوگی اور اس کا بار مسئول الیہ پر نہیں ڈالا جا سکے گا۔

> (9) عدالت، تمام مقدمات میں جہاں وہ اس دفعہ کے تحت حکم صادر کرے تو حکم دے گی کہ مذکورہ حکم کی ایک نقل، درخواست کے فریقین کو، پولیس اسٹیشن کے افسر انچارج کو جس اختیار سماعت میں رسائی رکھتی ہو نیز عدالت کے اختیار سماعت کی مقامی حدود کے اندر واقع سروس فراہم کنندہ کو دیں جائیں گی۔

یہ انتظامی نوعیت کی دفعہ ہے، جس کا تعلق طریق کار اور قانون پر عمل درآمد سے ہے۔

اس جیسی انتظامی نوعیت کی دفعات کے متعلق تین اصولی باتیں مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

1:- شریعت کسی بھی قانون سے مقدم ہے۔

2:- جو قانون شریعت کے موافق ہو اس کے لیے طریق کار وضع کرنا اور اس پر عمل کرنا انتظامیہ کے لیے نہ صرف جائز ہے، بلکہ اس کی قانونی اور شرعی ذمہ داری بھی ہے، لیکن خلافِ شریعت قانون کے لیے طریق کار وضع کرنا اور نفاذ میں مدد دینا بھی ناجائز ہے۔

3:- قرآنی حکم ہے کہ "وتعاونوا علي البر والتقوی ولا تعاونوا علي الاثم والعدوان" اس آیت کے تحت گناہ میں معاونت کرنا یا سہولت کار بننا بھی ناجائز ہے، چنانچہ جو فعل از روئے شریعت جرم نہ ہو اس پر سزا بھی ناجائز اور سزا کے نفاذ میں معاونت بھی ناجائز اور اس کے لیے عمل درآمد کا طریق کار وضع کرنا بھی ناجائز، اس لیے مقننہ کا ایسا بِل بنانا، عدالت کا اس کے مطابق کارروائی کرنا اور فیصلہ دینا اور انتظامیہ اور اس بِل کے تحت تشکیل دیئے گئے کمیٹیوں یا اداروں کا اس کو نافذ کرنا سب ناجائز ہے۔ الحاصل جس حد تک یہ بِل خلافِ شریعت

ہے، اس حد تک یہ بِل شریعت کی رو سے کالعدم ہے اور اس حد تک اس بِل کے نفاذ میں تعاون کرنا یا سہولت دینا بھی ناجائز ہے۔

مالی امداد

9- مالی امداد:۔ (1) عدالت، سماعت کے کسی بھی مرحلے پر مسئول الیہ کو ہدایت دیتے ہوئے حکم عارضی دے سکے گی کہ گھریلو تشدد کے نتیجے میں متضرر شخص اور متضرر شخص کے کسی بھی بچے کی جانب سے اٹھائے گئے اخراجات اور برداشت کردہ نقصانات کو پورا کرنے کے لئے مالی امداد ادا کرے اور مذکورہ امداد میں حسب ذیل شامل ہوگی: لیکن اس تک محدود نہ ہوگی۔

(الف) عدالت کی جانب سے تعین کردہ معاشی استحصال میں مبتلا کرنے کے نتیجے میں معاوضہ دینا؛

(ب) آمدنی کا نقصان؛

(ج) طبّی خرچ؛

(د) متضرر شخص کے کنٹرول میں کسی بھی جائیداد کو تباہ کرکے، نقصان پہنچا کر یا واگزاشت کروا کر نقصان کا باعث بننا؛

(ہ) متضرر شخص نیز اس کے بچوں کا نان نفقہ اگر کوئی ہوں، اس میں فی الوقت نافذ العمل قانون کے تحت نان ونفقہ کے حکم کے تحت یا اس سے مزید برآں حکم شامل ہے؛

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت مسئول الیہ متضرر شخص کو حکم میں مصرحہ مدت کے اندر منظور کردہ مالی دادرسی کی ادائیگی کرے گا۔

(3) ذیلی دفعہ (2) کے تحت حکم کے مفہوم میں مسئول الیہ کی جانب سے ادائیگی میں ناکامی پر عدالت مسئول الیہ کے آجر یا قرض دار کو یہ ہدایت دے سکتی ہے کہ وہ متضرر شخص کو براہِ راست ادائیگی کرے یا اس کی مزدوری یا تنخواہ یا واجب قرض کا ایک حصہ یا مسئول الیہ کی جمع شدہ رقم سے متضرر شخص کو ادا کیا جائے، جس کی رقم کو مسئول الیہ کی جانب سے قابلِ ادائیگی مالی دادرسی کی جانب سے ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

سماعت کے کسی مرحلے پر عدالت مدعا علیہ کو حکم دے سکے گی کہ متضرر شخص کو اخراجات، برداشت کیے ہوئے نقصانات، آمدنی کا نقصان، طبّی خرچ، متضرر کی کسی جائیداد میں نقصان وغیرہ کی تلافی کرے، یہ سب ایک خاص مدت میں ادا کرنا ہوگا، ورنہ عدالت خود وصول کرے گی، مثلاً مدعا علیہ کے واجب الحصول بقایاجات کسی شخص یا ادارے کے پاس ہوں تو عدالت اس میں سے وضع کر لے گی۔ فرض کیجیے! مدعا علیہ کسی ادارے میں ملازم ہے تو عدالت اس کی اجرت یا مشاہرے میں سے وصول کر لے گی یا مدعا علیہ کا بینک اکاؤنٹ ہے اور اس میں رقم ہے، عدالت اس میں کٹوتی کر لے گی اور پھر حتمی فیصلے کے وقت عدالت مدعا علیہ پر جو جرمانہ عائد کرے اس میں سے ان کو منہا کیا جا سکے گا۔

معاشی استحصال کی تعریف کا حاصل یہ تھا کہ مدعا علیہ متضرر کو ان معاشی ذرائع سے محروم کر دے یا اس میں رکاوٹ بنے جن کا متضرر کو قانون کی رو سے یا رسم و رواج کی رو سے حق ہو۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ:

1:- اگر مدعا علیہ شریعت کی رو سے ایسا حق رکھتا ہو تو اسے معاشی استحصال نہیں قرار دیا جا سکتا، مثلاً شوہر بیوی کو یا باپ بیٹی کو بیرونِ خانہ ملازمت سے روکنے کا مجاز ہے جب کہ وہ

ان واجب حقوق ادا کر رہا ہو۔

2:- شوہر بیوی کو اندرونِ خانہ بھی ایسی صنعت و حرفت سے روک سکتا ہے، جس سے اس کے حقوق متاثر ہوتے ہوں یا ذمہ داریوں میں فرق آتا ہو۔

3:- ضروری نہیں کہ رسمِ شریعت کے موافق ہو یا رسم کی رو سے لازم شے شریعت کی رو سے بھی لازم ہو، چنانچہ ایسی کئی مثالیں ذکر کی گئی تھیں کہ جن میں متضرر رسم و رواج کی رو سے کوئی معاشی حق رکھتا ہے، مگر شریعت کی رو سے نہیں۔ شریعت کو چونکہ رسم پر بالادستی حاصل ہے، اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ایسی رسموں سے محرومی کو معاشی استحصال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

4:- اگر واقع میں مدعا علیہ متضرر کو کسی جائیداد سے بایں معنی محروم کرتا ہے کہ اس پر قابض ہو جاتا ہے تو اس پر غصب کے احکام لاگو ہوتے ہیں، جن کی اپنی تفصیلات ہیں۔

5:- یہ بھی ذکر ہوا تھا کہ مالیاتی ذرائع سے محروم کرنا یا رسائی میں رکاوٹ بننا دونوں کے مختلف مدارج ہیں۔ ہر درجے کو جرم قرار دینا درست نہیں۔

6:- غصب کے احکام کی رو سے اگر مدعا علیہ نے کوئی مال غصب کیا ہے تو واجب الرد ہوگا، اگر مال ہلاک ہو گیا ہو تو اس کا مثل لوٹائے گا اور اگر مثل نہ ہو تو تاوان دے گا، مگر آمدنی کا نقصان خواہ مال غصب کر کے ہو یا ذریعہ معاش سے روکنے کی صورت میں ہو، دونوں صورتوں میں اس کا ضمان واجب نہیں ہے، چنانچہ مشہور قاعدہ ہے کہ مغصوب کے منافع کا ضمان واجب نہیں ہوتا ہے۔

7:- طبّی خرچ اگر جسمانی چوٹ لگنے کی صورت میں نہ ہوا ہو، بلکہ متضرر کا دعویٰ ہو کہ اسے نفسیاتی اذیت دی گئی ہے تو اول تو ہر اذیت نفسیاتی اذیت نہیں، پھر اس کی وجوہات صرف مدعا علیہ کا رویہ نہیں، بلکہ بے شمار اسباب ہو سکتے ہیں۔

8:- اگر مدعا علیہ نے حکم عارضی کے تحت ادائیگیاں کرلیں یا اس سے بزور و جبر وصول کرلی گئیں اور پھر قطعی فیصلہ مدعا علیہ کے حق میں آیا تو مدعا علیہ کو اس کا حق لوٹانے کی کیا سبیل ہوگی؟ قانون اس سے خاموش ہے۔ مزید یہ کہ مدعا علیہ سے عبوری طور پر جو اخراجات وصول کیے جائیں گے، ان کے متعلق بِل قرار دیتا ہے کہ ان کو مدعا علیہ پر عائد ہونے والے جرمانے سے منہا کیا جاسکے گا۔ گویا مجریائی کا حکم بھی عدالت کا صواب دیدی حکم ہے، وہ چاہے تو مجرائی کا حکم نہ دے۔ اگر عدالت بہرصورت پابند ہوتی تو پھر عبارت (ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے) کے بجائے حکمیہ انداز میں (ہم آہنگ کیا جائے گا) ہونا چاہیے تھی۔

تحویلی احکامات

10۔تحویلی احکامات:۔ باوصف اس کے کوئی بھی چیز اس وقت نافذ العمل کسی بھی قانون سے اخذ کی گئی ہو تو عدالت حفاظتی حکم کے لئے درخواست کے کسی بھی مرحلے پر یا اس ایکٹ کے تحت کسی بھی اور دادرسی کے لئے کسی بھی موزوں شخص یا اتھارٹی کو متضرر شخص کی عارضی تحویل دے سکتی ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر متضرر شخص ایک بچہ ہے تب عدالت اسی طرح گارجین و وارڈ ایکٹ 1890ء (نمبر 8 بابت 1890ء) کی بابت ایک مناسب شخص یا سروس فراہم کنندہ کا تعین کرے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر متضرر شخص ایک بالغ شخص ہے تو تحویل سروس فراہم کنندہ یا کسی دیگر شخص سے بھی شخص کو یا سروس فراہم کنندہ کو متضرر شخص کی مرضی کی مطابقت میں دی جائے گی۔

یہ دفعہ خلافِ شرع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

1:- (الف) اگر متضرر لڑکا ہے اور سات سال سے کم عمر کا ہے تو اس کی پرورش کا حق

والدین کو ہے اور اگر والدین میں جدائی ہوچکی ہے تو ماں کو ہے اور ماں نہیں ہے تو ماں کی قریب ترین عزیزہ کو ہے۔ اگر ماں کی رشتہ دار خواتین میں سے کوئی بھی نہیں ہے یا ہے، مگر وہ پرورش کی اہلیت نہیں رکھتی ہے تو قانون حضانت کی رو سے درجہ بدرجہ عصبہ بنفسہ کو حقِ پرورش ہے اور اگر عصبہ بھی نہیں ہے تو یہ حق ذوی الارحام یعنی ننھیالی رشتہ داروں کو ہے۔

(ب) اگر لڑکا سات سال سے زائد عمر کا ہے تو اس کا حقِ پرورش ولی کو ہے۔ بالفرض باپ تشدد کا مرتکب ہوا ہے تو یہ حق دادا، پھر پردادا، پھر بھائیوں، پھر بھتیجوں، پھر چچاؤں، پھر چچازادوں، پھر باپ کے چچاؤں اور پھر دادا کے چچاؤں کو ہے، مگر عدالت کو نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ پرورش اور کفالت پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں بزور وجبر آمادہ کیا جائے گا۔

(ج) اگر لڑکا بالغ ہے تو اسے حسبِ خواہش رہائش کا حق ہے، لیکن فاسق لڑکے کو یہ حق بھی نہیں ہے۔

2:- اگر متضرر نابالغ لڑکی ہے تو اس کا حقِ پرورش بھی ان ہی افراد کو ہے جن کو لڑکے کی پرورش کا حق ہے، جیسا کہ شق الف میں گزرا، البتہ لڑکی کے بارے میں خاص شرط ہے کہ پرورش کنندہ اس کے لیے غیر محرم نہ ہو۔

3:- اگر متضرر لڑکی ہے اور کنواری دوشیزہ ہے یا طلاق یافتہ ہے، مگر اس کے متعلق اطمینان نہیں ہے تو اسے بھی الگ رہائش کا حق نہیں ہے۔

4:- اگر متضرر کسی شخص کی بیوی ہے تو اسے شوہر کی مرضی کے خلاف رہائش اختیار کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو نافرمان ہوگی اور اس کا نفقہ وغیرہ اخراجات بھی شوہر سے ساقط ہوں گے۔

5:- اگر بالغہ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو جس کی تحویل میں اسے دیا جائے تو پھر لڑکی الگ

رہائش اختیار کر سکتی ہے، مگر اس کے لیے بھی شرط ہے کہ اس کے متعلق فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ آج کل صرف اندیشے ہی نہیں، بلکہ فتنوں کا سیلاب ہے جو ہر طرف نظر آتا ہے، اس لیے لڑکی کو تنہا رہائش کا بھی حق نہیں، اس لیے از روئے شرع اسے کسی امانت دار، قابلِ اعتماد اور اس کی حفاظت پر قدرت رکھنے والی عورت کے سپرد کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کسی شخص کو کس کی تحویل میں دیا جائے، اس کے بارے میں شریعت نے تفصیل سے احکامات دیئے ہیں جن میں جنس کا، عمر کا، رشتے کا، جس کی تحویل میں کسی کو دینا ہو اس کی شخصیت، احوال، کردار اور صفات وغیرہ سب امور شامل ہیں، جن سے مقصود زیرِ تحویل شخص کی بہبود اور مفاد ہے مگر بِل میں ان امور کی قطعاً رعایت نہیں رکھی گئی ہے۔

عبوری تحفظ اور رہائشی احکامات کی مدت اور ترمیم

11۔ عبوری تحفظ اور رہائشی احکامات کی مدت اور ترمیم:۔ (1) دفعہ 7 کے تحت عبوری حکم دفعہ 8 کے تحت حکم تحفظ اور دفعہ 10 کے تحت حکم تحویل لاگو رہیں تاوقتیکہ متضرر شخص مذکورہ حکم کو منسوخ کرنے کے لئے درخواست نہ دے دے۔

(2) اگر عدالت متضرر شخص یا مسئول الیہ سے درخواست کی وصولی پر کسی بھی مرحلے میں یہ اطمینان رکھتی ہے کہ حالات میں تبدیلی ہو چکی ہے جو تبدیلی ترمیم یا بازطلبی جو اس ایکٹ کے تحت وضع کردہ کسی بھی حکم کے متقاضی ہیں تو وہ وجوہات کو تحریراً قلمبند کرتے ہوئے ایسا حکم جاری کر سکتی ہے جسے وہ موزوں خیال کرے۔

(3) حکم رہائش نافذ رہے گا جب تک کہ عدالت کی جانب سے تبدیل نہ کر دیا جائے۔

(4) ذیلی دفعات (1) اور (2) میں شامل کوئی بھی شئے متضرر شخص کو سابقہ حکم کے منسوخ ہونے کے بعد تازہ درخواست وضع کرنے سے مانع نہ ہوگا۔

عبوری حکم اور حکمِ تحفظ اس وقت تک لاگو رہیں گے جب تک متضرر اس کی منسوخی کی درخواست نہ دے دے۔ اس کا مطلب ہے کہ مدعا علیہ، مدعی کے رحم و کرم پر ہوگا۔ مدعی محض مدعی نہیں ہوتا، بلکہ مقدمے کا فریق ہونے کی حیثیت سے اس میں اور مدعا علیہ میں با قاعدہ جنگ کی کیفیت ہوتی ہے اور ہر فریق دوسرے فریق کو ممکنہ حد تک نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ فریقین میں با قاعدہ مقدمہ بازی شروع ہو چکی ہو، ایک فریق کی سزا کا خاتمہ مقدمے کے حقائق کے بجائے دوسرے فریق کی خواہش پر رکھنا انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس موقع پر یہ معقول سوال بھی اُٹھتا ہے کہ اگر سزا کا خاتمہ مدعی کی چاہت پر ہے تو پھر سارا نظام انصاف کس لیے ہے؟ اس سوال میں اس لیے وزن ہے کہ بحث عبوری احکام کے متعلق ہو رہی ہے اور عبوری احکام وہ ہیں جو صرف مدعی کے تصدیقی بیان پر بھی عدالت صادر کر سکتی ہے۔

عبوری احکام کی خلاف ورزی پر سزا

12۔ مسئول الیہ کی جانب سے عبوری یا حکم تحفظ کی خلاف ورزی پر تعزیر:۔

(1) مسئول الیہ کی جانب سے حکم تحفظ یا عبوری حکم یا حکم رہائش یا حکم تحویل کی خلاف ورزی ایک جرم ہوگی جو ایک سال تک سزائے قید اور مع ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا کا مستوجب ہوگا جو کہ متضرر شخص کو ادا کیا جائے گا۔

(2) مجموعہ قانون میں شامل کسی امر باوصف اس دفعہ کے تحت جرم قابل دست اندازی، قابلِ ضمانت اور قابلِ راضی نامہ ہوگا۔

1:- ذیلی شق (1) کی سزا اس سزا کے علاوہ ہے جو عدالت قطعی حکم صادر کرتے ہوئے مدعا علیہ کو دے گی۔

2:- گھریلو تشدد کا بِل قابلِ دست اندازیِ پولیس ہے۔ اس سے ریاست کو خانگی معاملات میں غیر معمولی حد تک مداخلت کا موقع ملے گا، جس سے چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال ہوگا۔

3:- خاندانی نظام کی بنیاد ہمدردی، خیر خواہی، ایثار، انفاق، صلح اور عفو و درگزر کی بنیادوں پر قائم ہے، اس لیے گھریلو تنازعات کو درونِ خانہ ہی حل کرنے کی تاکید ہے۔ گھر سے باہر نجی معاملات لے جانا نہ تو معاشرہ پسند کرتا ہے اور نہ ہی اس سے خیر کی کوئی سبیل برآمد ہوتی ہے۔

4:- اگرچہ اس بِل میں جرم کو قابلِ راضی نامہ بھی قرار دیا گیا ہے، مگر عملاً یہ بِل مصالحت کا دروازہ بند اور عداوت کا راستہ کھولتا ہے، بلکہ قانونی چارہ جوئی کے نام پر افراد کو ایک دوسرے کے خلاف اُکساتا ہے۔

کمیٹی تحفظ کے فرائض

16۔ کمیٹی تحفظ کے فرائض اور کارہائے منصبی:۔ کمیٹی تحفظ:

(الف) متضرر شخص کو اس ایکٹ کے تحت اس کا/کی حقوق سے فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون اور مداوا اور مدد جو فراہم کی جا سکتی ہے، سے مطلع کرے گی۔

(ب) گھریلو تشدد کی وجہ سے ضروری طبّی علاج کے حصول میں متضرر شخص کی معاونت کرنا۔

(ج) اگر ضروری ہو تو متضرر شخص کی رضامندی سے، محفوظ مقام کی تلاش میں جو کہ متضرر شخص کو قابل قبول ہو، میں متضرر شخص کی معاونت کرنا، جس میں کسی بھی رشتہ دار کا گھر یا خاندانی دوست یا دوسری محفوظ جگہ شامل ہو سکتی ہے۔

یعنی متضرر کو رائج قوانین کے تحت اس کے حقوق سے آگاہ کرنا، ضروری طبّی امداد میں

معاونت کرنا، متضرر کے حسب منشا اسے رہائش دینا خواہ وہ اس کے کسی رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کوئی دیگر مقام ہو۔

1:- اسلامی خاندانی احکام کے مطابق خاندان کا کوئی فرد کہاں رہائش رکھ سکتا ہے؟ اس کے بارے میں احکام موجود ہیں، جیسا کہ سیکشن 10 کے تحت گزر چکا ہے۔ ان احکام میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ اگر کسی جگہ کی رہائش یا ایک شخص کے ماتحت رہائش مناسب نہ ہو تو اس کا متبادل کون سی رہائش اور کس کے ماتحت رہائش ہوگی، اس لیے تحفظ کمیٹی اگر ان شرعی احکام سے عدول کرتے ہوئے کہیں اور متضرر کو سکونت فراہم کرتی ہے تو شریعت کے خلاف کرتی ہے۔

2:- علاوہ ازیں، دفعہ ہذا کے مطابق متضرر کسی بھی رشتہ دار یا خاندانی دوست یا کسی بھی دوسری جگہ رہائش اختیار کر سکتا ہے، حالانکہ رشتہ دار غیر محرم بھی ہو سکتا ہے، جب کہ کوئی خاتون کسی غیر محرم کے ساتھ رہائش اختیار نہیں کر سکتی ہے۔ اگر متضرر لڑکا ہو تو اس کی سکونت کا مقام اور افراد بھی شریعت نے طے کر دیئے ہیں۔

مزید یہ کہ جن افراد کے ساتھ متضرر رہائش اختیار کرے گا، ان کا متضرر کے ساتھ رشتہ کیا ہونا چاہیے؟ وہ کس کردار کے حامل اور کن صفات سے متصف ہوں گے؟ اس کی وضاحت بھی قانون میں درج نہیں ہے، حالانکہ شریعت نے ان کے متضرر کے ساتھ رشتے اور کردار اور افعال کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے اوصاف متعین کر دیئے ہیں۔

3:- اس دفعہ کی ایک سنگین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی لڑکی بہک کر کسی دھوکے باز اور بدقماش کے دامِ تزویر میں آجائے، جس سے اس کی عفت وعصمت اور خاندان کے وقار اور عزت کو شدید خطرات لاحق ہو جائیں، ان خطرات کے پیشِ نظر اور لڑکی کے مفاد میں خاندان

کے ارکان اسے منع کریں اور لڑکی اسے اپنی خلوت اور آزادی میں رخنہ سمجھ کر قانونِ ہذا کے تحت دادرسی طلب کرے اور اسی بدقماش کے ساتھ رہائش پر اصرار کرے تو بِل کی رو سے اسے یہ حق حاصل ہے۔اس کے بعد اخبارات کو یہ شہ سرخی جمانے کا موقع ملے گا کہ ''غیرت کے نام پر لڑکی اور اس کے دوست کا بہیمانہ قتل۔''

(د) اس ایکٹ ،مجموعہ قانون یا فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون کے تحت پٹیشن یا رپورٹ کی تیاری اور دائر کرنے کے لئے،افسر تحفظ کے ذریعے متضرر شخص کی معاونت کرنا۔

(ہ) اپنے حدودِ اختیار کے علاقے میں گھریلو تشدد کے واقعات کا سرکاری ریکارڈ رکھنا۔

(و) سروس فراہم کنندہ کا نام اور رابطہ کی تفصیلات کو برقرار رکھنا،جس سے متضرر شخص مزید مدد اور معاونت جس میں کہ پناہ گاہ شامل ہے،حاصل کرسکتا ہے۔

(ز) ایسے دیگر فرائض کی ادائیگی کرنا جو کمیٹی تحفظ اس ایکٹ یا اس کے تحت وضع کردہ قواعد میں تفویض کرسکتی ہے۔

متضرر شریعت کی نظر میں متضرر ہو تو اس کو معاونت فراہم کرنا جائز ہے کیونکہ تعاونوا علی البر والتقوی' کا حکم ہے اور اگر شریعت کی نظر میں متضرر نہ ہو تو پھر'' ولا تعاونوا علي الاثم والعدوان'' کے تحت کمیٹی تحفظ کا متضرر کو خدمات پیش کرنا جائز نہ ہوگا۔

قانون ہذا اور دیگر قوانین

23۔یہ ایکٹ کسی دیگر قانون کی تقلیل نہیں کرے گا:۔اس ایکٹ کے احکامات،فی الوقت نافذ العمل کسی بھی قانون میں اضافہ کریں گے،اور اس کی تقلیل نہیں کریں گے۔

مقننہ نے وضاحت دے دی کہ یہ بِل کسی دوسرے قانون کو کم نہیں کرے گا مگر یہ

دوسرے قوانین کے موافق ہے یا مخالف اور یہ دوسرے قوانین کی غرض وغایت کوتقویت بخشتا ہے یا بجائے تقویت کے ان کی راہ میں مزاحم ہے اوران کے احکام سے متصادم ہے؟ جو شخص یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ بِل شریعت کے خلاف ہے وہ اگر یہ رائے بھی رکھے کہ یہ بِل ملک میں نافذ عائلی قوانین کے خلاف ہے تو اس کی رائے کو بِلا دلیل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جن عائلی احکام کے متعلق ملک میں کوئی قانون نافذ نہیں ہے ان میں شرعی قانون ہی ملک میں نافذ ہے۔ ’’مسلم فیملی لاء (شریعت) کے نفاذ کا قانون‘‘ کے دفعہ 2 میں ہے:

> دفعہ 2۔ مسلم پرسنل لاء کا اطلاق: باوجودیکہ کوئی رواج یا Custom اس بارے میں موجود ہے، وراثت کے تمام معاملات میں (جس میں وصیت یا عدم وصیت بھی شامل ہے) خواتین کی خاص جائیداد، منگنی، شادی، طلاق، حق مہر، تولیت، گارڈین شپ، نابالغی، جائز یا ناجائز اولاد کی صورت، خاندانی تعلقات، وصیت، وصیتی جائیداد، ہبہ، مذہبی رسومات یا ادارے بمعہ وقف، ٹرسٹ، یا اس سے متعلقہ جائیداد میں کسی موجود قانون کے تابع مسلم پرسنل لاء شریعت کے مطابق ہوگا، جہاں فریقین مسلمان ہوں۔

اس اقتباس سے واضح ہے کہ ملک میں خاندانی معاملات کے سلسلے میں شرعی احکام نافذ ہیں اور یہ بِل شرعی احکام کے خلاف ہے تو ملکی قانون کے بھی خلاف ہے۔

نیک نیتی سے کیے گئے افعال

22۔ نیک نیتی سے کیے گئے افعال کا تحفظ:۔ اس ایکٹ کے اغراض کے تحت اور نیک نیتی سے کیے گئے عوامل پر کسی بھی حفاظتی کمیٹی، حفاظتی افسر یا خدمت فراہم کرنے والوں کے خلاف کوئی بھی مقدمہ، استغاثہ یا دیگر قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

1:- یہ بِل جن وجوہ سے خلافِ شریعت ہے ان وجوہ کے اغراض کے لیے اٹھائے

گئے اقدامات کیسے جائز ہو سکتے ہیں اور نیت کی خوبی سے ان کا جواز کیسے مہیا ہو سکتا ہے؟

2:- نیت کے حسن سے گناہ کے پہلو سے بچت ہو سکتی ہے، لیکن حقوق العباد تلف ہوئے ہوں تو نیک نیتی قابلِ قبول عذر نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر کوئی شخص فوجداری مسئولیت سے بری ٹھہرتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ اس پر دیوانی مسئولیت بھی عائد نہ ہو۔

باب سوم

چند شرعی احکام کی وضاحت

چند شرعی احکام کی وضاحت

اس بِل اور شریعت میں جو اختلاف ہے وہ صرف جزئیات کا نہیں ہے بلکہ اصولوں کا بھی ہے۔اس اصولی اختلاف کی وضاحت کے لیے یہ باب قائم کیا گیا ہے۔

مصالحت کی مخالفت

خاندان کی بنیاد زوجین کے تعلق پر ہے۔اگر زوجین کے مابین نزاع ہو جائے تو اس کے لیے قرآن کریم میں ''نشوز،شقاق اور اعراض'' وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اس کے حل کے لیے مصالحت پر زور دیا گیا ہے۔قرآن کریم کی یہ مصالحتی تجویز اس کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے، کیونکہ جب وہ عائلی زندگی کی بنیاد صلح وصفائی،عفو ودرگزر،حسنِ سلوک،صلہ رحمی اور ایثار و ہمدردی پر رکھتا ہے تو ان اُصولوں کا تقاضا مقدمہ بازی نہیں، بلکہ چشم پوشی ہے اور مخاصمت نہیں بلکہ مصالحت ہے۔قرآن پاک کی روشنی میں صلح میں خیر ہے اور کوئی ایک فریق صلح کی خواہش ظاہر کرے تو دوسرے کو بھی صلح کے لیے جھک جانا چاہیے۔ان قرآنی ہدایات کی روشنی میں بہتر تو یہی ہے کہ زوجین کے مابین سمجھوتے کے لیے کسی بیرونی مدد کی ضرورت ہی نہ پڑے اور زوجین خود ہی صلح وصفائی سے کام لے کر جھگڑا نمٹا دیں کیونکہ کسی بیرونی فریق کی شرکت سے نجی احوال بھی اس کے علم میں آجاتے ہیں جس کے بعد گھر کی بات گھر کی نہیں رہتی بلکہ گھر گھر کہانی بن جاتی ہے اور نہیں تو زوجین کا وقار بیرون خانہ کم ضرور ہو جاتا ہے، مگر بسا اوقات اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہوتا، مثلاً قصور بیوی کا ہو اور شوہر نے اصلاح کے

لیے تدریجی مراحل اختیار کر لیے ہوں یا نزاع باہمی ہو اور زوجین خود کوئی حل تلاش نہ کر سکیں تو پھر مخلص اور معاملہ فہم حضرات کے سامنے وجہِ نزاع کا ذکر کر دینا چاہیے۔

ایسے موقع پر میاں بیوی دونوں کی طرف سے ایک ایک نمائندے پر مشتمل ایک مصالحتی کمیٹی قائم کرنی چاہیے جو زوجین کے درمیان اختلاف کو ختم کر کے ان کے درمیان اتفاق کی کوشش کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلهاان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما ان الله كان عليما خبيرا (النساء:35)

آیتِ شریفہ مصالحتی کمیٹی کے بارے میں درج ذیل ہدایات پر مشتمل ہے:

1:- اس کمیٹی کی تشکیل حکامِ وقت، زوجین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی جماعت یا زوجین کے رشتہ دار کریں گے۔ خود زوجین بھی اس کی تشکیل کر سکتے ہیں۔

2:- "حکَم" کی تعبیر سے معلوم ہوا کہ کمیٹی ایسے افراد پر مشتمل ہو جو فیصلے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، چنانچہ وہ ذی علم ہوں، دیانت دار ہوں، معتدل طبّیعت کے مالک ہوں، نیک سیرت ہوں اور جھگڑے کے حل کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

3:- کمیٹی دونوں طرف کے ارکان پر مشتمل ہو، تاکہ جانبداری کی بدگمانی پیدا نہ ہو۔

4:- کمیٹی کے ارکان دونوں کے رشتہ دار ہوں، کیونکہ رشتہ دار خیر خواہ ہوتے ہیں، اندرونی معاملات سے اور زوجین کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں۔

5:- کمیٹی کا مقصد میاں بیوی کے درمیان مصالحت کرانا ہے۔ یہی اس کمیٹی کی تشکیل کا مقصد ہے، اس سے زیادہ کا مینڈیٹ انہیں حاصل نہیں ہے، البتہ اگر میاں بیوی انہیں اپنا مختار بناتے ہیں اور انہیں فیصلے کا اختیار سپرد کرتے ہیں تو پھر ان کا فیصلہ زوجین کا فیصلہ سمجھا جائے گا۔

6:- کمیٹی خلوصِ دل سے چاہے گی تو زوجین میں موافقت ہوجائے گی۔ اگر صلح کی کوشش ناکام ہوجائے تو کمیٹی کے خلوص میں کمی ہوگی۔

7:- کمیٹی کی نیت، اس کے افعال و کردار سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ اگر وہ غفلت یا سستی برتے گی یا جانبداری کا مظاہرہ کرے گی یا اس کی نیت زوجین میں جوڑ پیدا کرنے کی نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

8:- ''خِفْتُمْ'' (اندیشے) کو بعض نے ''علم'' کے معنی میں لیا ہے، یعنی جب زوجین کے درمیان ناچاقی کا علم ہوجائے تو مصالحتی کوشش کا آغاز کردینا چاہیے اور جنھوں نے اس کو ''ظن'' کے معنی میں لیا ہے، ان کے قول کے مطابق تو بس بھنک پڑتے ہی اصلاحی اقدام شروع کردینا چاہیے۔

9:- قرآن کریم نے خطاب اور ضمائر کے صیغے استعمال کیے ہیں، مگر ان کے مصداق کو متعین نہیں کیا ہے، اس ابہام کی وجہ سے ایک دنیا آیتِ کریمہ میں سمٹ کر جمع ہوگئی ہے، چنانچہ یہ آیت مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع اور مکمل پروگرام پر مشتمل ہے۔ ''فَابْعَثُوْا'' کی مخاطبّین کون ہیں؟ ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اس ابہام کی وجہ سے حُکّام اس حکم میں داخل ہیں، چنانچہ ان کا فریضہ اگر بگاڑ کو ختم کرنے کا ہے تو بگاڑ پیدا نہ ہونے دینا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ اس مقصد کے لیے بگاڑ کے انسداد کے شرعی قانون کا نفاذ ضروری ہے، کیونکہ اسی سے فرد کے فرد کے ساتھ تعلقات شرعی ہوسکتے ہیں، ورنہ قطع تعلق کا نتیجہ جس طرح فساد ہے، اسی طرح غیر شرعی تعلق کا نتیجہ بھی فساد ہے۔

بہر حال اس مصالحتی کونسل کا فائدہ یہ ہے کہ گھر کا معاملہ اگر گھر ہی میں حل نہ ہوسکے تو خاندان کی سطح پر حل ہوجاتا ہے اور گلی کوچوں اور چوراہوں میں اس پر تبصروں کی نوبت نہیں

آتی اور بالفرض معاملہ عدالت تک جا پہنچے تو عدالت کو بھی حکم یہ ہے کہ فیصلے کے بجائے وہ ایک ثالثی کمیٹی مقرر کرے جو دونوں کے اختلافات کا جائزہ لے اور اپنی رپورٹ پیش کرے۔

مصالحتی کونسل کا یہ طریقہ کار اختلافات کے حل کا فوری اور تیز طریقہ ہے، یہ طریقہ آسان بھی ہے اور مفت ہونے کے علاوہ باعزت اور دیرپا بھی ہے۔ اگر عدالت سے رجوع کیا جائے تو اس کا لگا بندھا طریقہ کار اور متعین اسلوب ہوتا ہے۔ اسے انسانوں سے زیادہ ضابطوں کی اور دلوں سے زیادہ اصولوں کی فکر ہوتی ہے۔ انسان ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں، مگر ضابطے نہیں ٹوٹنے چاہئیں، کیونکہ وہ اسی کی پابند ہے۔ اس کا فیصلہ بھی ظاہری شواہد پر ہوتا ہے جو کہ ضروری نہیں ہے کہ درست ہوں۔ اگر شواہد درست ہوں اور فیصلہ شواہد کے مطابق ہو، پھر بھی فیصلہ بے رحم چھری ہوتا ہے جو جذبات اور احساسات سے عاری اور رشتوں کی نزاکت سے ناواقف ہوتا ہے اور کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

پھر عدالتی فیصلہ قطعِ نزاع تو کر دیتا ہے مگر مطمئن بھی کر دے، ایسا ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیصلے کے بعد ایک فریق فتح کا پھریرا لہراتا ہوا نکلتا ہے، تو شکست خوردہ فریق بازی کو پلٹنے کے لیے نیا محاذ کھولنے کی تدبیریں سوچنے لگتا ہے۔ اگر وہ قانون کے جبر سے خاموش بھی رہے تو فیصلہ کا کڑوا بیج اس کے دل میں زہریلے برگ و بار لاتا رہتا ہے۔ اگر عدالتی فیصلے ہی خانگی امور میں آئیڈیل انتخاب ہوتے تو قرآن کریم مصالحت کی تجویز نہ دیتا، اسے بہتر نہ قرار دیتا، زوجین کو ثالث کے انتخاب کی ہدایت نہ کرتا اور مصالحت کی حوصلہ افزائی نہ کرتا، احادیث مصالحت کو پسند نہ کرتیں، قاضیوں کو یہ تلقین نہ کی جاتی کہ وہ فیصلے سے پہلے فریقین کو مصالحت کا موقع دیں اور جھوٹ جیسے کبیرہ گناہ کی مصالحتی عمل میں کہنے کی اجازت نہ دی جاتی۔

عدالت کے علاوہ فتویٰ کے ذریعے بھی نزاع کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ فتویٰ اسلامی نظامِ عدل میں نیم عدالتی کارروائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھی مسلمانوں کا فتویٰ کے ادارے پر اعتماد ہے اور ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے معاملات میں غیر شرعی قوانین کے بجائے شریعت کو فیصل اور حکم بنانے پر راضی ہیں، مگر عموماً فتویٰ کا اجراء یکطرفہ موقف پر ہوتا ہے۔ مفتی کا منصب بھی حقائق کی چھان بین نہیں ہوتا ہے اور فتویٰ کا حصول بھی مصالحت کے نقطۂ نظر سے نہیں، بلکہ حق یا ناحق یا شرعی حکم کی دریافت کے لیے ہوتا ہے۔

لہٰذا عدالت اور فتویٰ کے بجائے عائلی تنازعات کے حل کے سلسلے میں بہتر حل صلح کا ہی ہے۔ دورِ عثمانی میں باقاعدہ ثالث ہوتے تھے جن کا نام ہی ''مُصلِحون'' تھا اور وہ عدالتوں سے وابستہ ہوتے تھے۔ کئی ممالک نے اس راز کو پا لیا ہے اور وہاں عائلی تنازعات کے حل کے لیے تربیتی طریقے وضع کیے گئے ہیں۔ ان ممالک میں خانگی جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے زوجین کی باقاعدہ کونسلنگ کی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں مختلف قوانین میں صلح اور اس سے ملتے جلتے الفاظ کا استعمال ہوا ہے، مگر اس کا قانونی مفہوم متعین نہیں کیا گیا ہے۔ عائلی قوانین مجریہ 1961ء میں طلاق کے بعد مصالحت کی کوششوں کا ذکر ہے، حالانکہ اس عمل کی ضرورت طلاق سے پہلے ہوتی ہے۔

اس مجوزہ بِل میں مصالحت کا کوئی طریقہ کار تجویز نہیں کیا گیا ہے۔ اگر بِل صرف مصالحت سے خاموش ہوتا تو زیادہ تشویشناک نہیں تھا، مگر المیہ یہ ہے کہ بِل مصالحت کے اصولوں کے برعکس سفر کرتا ہے اور اس کی کوشش مصالحتی کاوشوں کو ناکام بنانے کی نظر آتی ہے۔ مصالحت کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ فریقین اس کی ضرورت محسوس کریں، لیکن جب ستم رسیدہ پختہ شعور کا مالک نہ ہو، طبّیعت خواہشات کی اسیر اور روایات و اقدار کی باغی ہو،

دوسری طرف جب قانون اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے پشت پر کھڑا ہوا اور اس کا ارادہ مدعیٰ علیہ کو نشانۂ عبرت بنانے کا ہو اور اس کے ساتھ متضرر کو آزادی، خلوت میں عدمِ مداخلت، من پسند رہائش، جرمانہ وہرجانہ اور مالی امداد وغیرہ کے خواب دکھائے گئے ہوں تو وہ مصالحت کی ضرورت کیوں محسوس کرے؟ اور اس پر کیوں کر آمادہ ہو؟

اگر فیملی کے افراد مصالحت کی اہمیت کو جانتے ہوں اور اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوں تو وہ باوجود خواہش کے اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ بِل تنازع کے ایک فریق متضرر کو اس طرح اُچک لیتا ہے اور خاندان سے اسے یوں کاٹ لیتا ہے، گویا وہ نہ کسی خاندان کا فرد ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، نہ ہی اس کا کسی سے رشتہ ناطہ ہے اور نہ ہی آئندہ کے لیے اسے خاندان یا تعلقات کی ضرورت ہے، گویا وہ کسی آسمانی سیارے سے اُترا تھا اور اب دوبارہ ہمیشہ کے لیے واپس جا رہا ہے۔ اگر متضرر کو خاندان سے کاٹنا مقصد نہیں ہے تو پھر ہر نوع کا رابطہ اس سے ممنوع کیوں ہے؟ متضرر کو بجائے خاندان کے کسی سنجیدہ، برگزیدہ، عمر رسیدہ اور خیرخواہ شخصیت کے بجائے اپنے محبوب اور دوست کے ساتھ رہنے کا حق کیوں ہے؟ مصالحت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب ٹوٹے ہوئے رابطے بحال ہوں۔ رابطوں کی بحالی سے غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں اور فریقین ایک دوسرے کو اپنی رائے سے متفق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ مانو اور کچھ منواؤ کی بنیاد پر بات آگے بڑھتی ہے اور ایک دوسرے سے وعدے اور یقین دہانیاں اور ضروری ہو تو ضامن یا ضمانت لے کر جھگڑا ختم کر دیا جاتا ہے، مگر جب رابطے ہی منقطع ہوں تو ایک دوسرے کو کیسے قائل کیا جا سکتا ہے؟

اگر دونوں کے ہمدرد درمیان میں آکر تنازع کو حل کرنا چاہیں تو ثالث بھی سب سے پہلے فریقین کو مذاکرات کی میز پر لاتا ہے، مگر یہ قانون اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑتا ہے۔

اگر چہ اس بِل کے تحت وقوع پذیر جرم کو قابل راضی نامہ قرار دیا گیا ہے، مگر بِل جو میکنزم تجویز کرتا ہے، اس کے تحت راضی نامہ جو مصالحت ہی کا دوسرا نام ہے، مشکل ضرور نظر آتا ہے۔ بِل سروس فراہم کنندہ اور افسرِ تحفظ وغیرہ کی صورت میں جو کردار متعارف کراتا ہے اور تھانہ، پناہ گاہ، شیلٹر ہوم وغیرہ کی صورت میں جن اداروں کو پیش کرتا ہے۔ وہ سب اجنبی لوگ، اجنبی ماحول اور اجنبی جگہیں ہیں، جب کہ مصالحت میں وقت اور مقام کی پابندی نہیں ہوتی، اجنبی لوگ اور اجنبی ماحول نہیں ہوتا ہے۔

جیسا کہ ذکر ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف کے وقت قرآن کریم ان کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث کا انتخاب کریں اور ثالث ان کے رشتہ داروں میں سے ہوں، اگر ثالثان کی خواہش مصالحت کی ہوگی تو اللہ پاک بھی زوجین کے درمیان موافقت پیدا فرما دیں گے۔

جو ہمدردی اور خلوص ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کے لیے رکھتا ہے، باوجود کوشش کے ایک اجنبی وہ جذبات اپنے دل میں پیدا نہیں کرسکتا ہے۔ ثالث جب رشتہ داروں میں سے ہوتا ہے تو مصالحت کی کامیابی کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ مصالحت کی کامیابی کے لیے درست معلومات کا حصول شرط ہے۔ خاندان کا ممبر ہونے کی حیثیت سے ثالث درست حقائق سے واقف ہوتا ہے اور اگر وہ واقف نہ بھی ہو تو دیگر رشتہ داروں کے ذریعے اس کے لیے درست معلومات تک رسائی آسان ہوتی ہے۔ نجی احوال کے متعلق بھی خاندان کے رکن سے تو کھل کر گفتگو ہوسکتی ہے، مگر اجنبی لوگوں کے سامنے ایسا ممکن نہیں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے وہ فریقین کی ثقافت، رسم ورواج، کردار، خاندان کے حالات، اور ان کے مزاج سے واقفیت رکھتا ہے۔ وہ طویل نشستوں میں

فریقین کا ذہن پڑھ لیتا ہے اور ان کو ایک درمیانی راستے تک لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، وہ اس مقصد کے لیے دیگر اقارب کی بھی مدد لے سکتا ہے اور فریقین پر اثر و رسوخ رکھنے والی شخصیات کو استعمال کر لیتا ہے، مگر ایک سرکاری افسر کے لیے یہ سب کچھ ممکن نہیں ہوتا ہے۔ ان امور کی وجہ سے ثالث محض رسمی کارروائی انجام نہیں دیتا، بلکہ اس کی شدید خواہش فریقین میں مصالحت کی ہوتی ہے اور اگر مصالحت کے بجائے کوئی اور فیصلہ کرتا ہے تو تمام حقائق کے جائزے کے بعد وہی فریقین کے حق میں مفید ہوتا ہے۔

تادیبِ اولاد

تادیب کا حق جس طرح شوہر کو حاصل ہے، اسی طرح والدین کو بھی حاصل ہے۔ والدین کو یہ حق اس وجہ سے حاصل ہے کہ ان پر اولاد کی تربیت کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ تربیت بظاہر ایک سادہ سا لفظ ہے اور روزمرہ کی گفتگو میں زبانوں پر بار بار آتا ہے، اس کثرتِ استعمال کی وجہ سے اس کی وسعت اور اہمیت کی طرف نظر نہیں جاتی، حالانکہ یہ لفظ اپنے اندر بہت گہری حقیقت رکھتا ہے۔ یہ لفظ تین بنیادی ذمہ داریوں کی نشان دہی کرتا ہے:

1:- پرورش و نگہداشت، جس کا تعلق جسمانی ضروریات سے ہے۔ فقہ میں اس مقصد کے لیے نان و نفقہ، رضاعت اور حضانت کے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

2:- تعلیم، اس میں دینی و دنیوی حقوق اور ذمہ داریوں کی تعلیم شامل ہے۔

3:- درست شخصیت کی تعمیر، اس کو تزکیۂ نفس سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے شریعت والدین کو تادیب کا حق دیتی ہے، جس سے مراد تنبیہ اور سرزنش ہے اور آخری چارہ کار کے طور پر اس میں مناسب جسمانی سزا بھی شامل ہے۔

تادیب کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب تعلیم وتربیت کے تقاضوں میں کوئی خلل آتا ہے، مثلاً اولاد تعلیم میں سستی کرے یا غفلت برتے جس سے شخصیت کا ظاہر بگڑتا ہے یا معصیت کا مرتکب ہو، بری صحبت میں بیٹھتا ہو یا چوری کرتا ہو جو باطن کے بگاڑ، بدسیرتی اور بدخلقی کی علامت ہے تو تادیب واجب ہوجاتی ہے۔ تادیب چونکہ غلطی کی اصلاح کے لیے ہوتی ہے، اس لیے شریعت اپنے عام مزاج کے مطابق تدریج کے اصول کو بروئے کار لاتی ہے، اس لیے پہلے پہل غلطی کی نشاندہی کرکے سمجھایا بجھایا جاتا ہے اور فوائد ونقصانات سے آگاہ کیا جاتا ہے، بلکہ اگر مصلحت چشم پوشی سے کام لینے کی ہو تو غلطی سے صرف نظر کرلیا جاتا ہے، پھر ڈرانے دھمکانے سے کام لیا جاتا ہے اور اگر یہ حربہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو سختی اور درشتی سے کام لیا جاتا ہے اور ان سب کی ناکامی کے بعد حسب ضرورت ومصلحت جسمانی سزا دی جاتی ہے۔

اگرچہ اولاد کی تادیب جائز ہے، مگر تادیب کے طور پر جسمانی سزا کی اجازت اس وقت ہے، جب بچے کی عمر سات سال یا اس سے زیادہ ہو، کیونکہ اس سے پہلے ناسمجھی کا زمانہ ہوتا ہے۔ جب بچے کا شعور کچھ پختہ ہوجائے، مگر مکمل پختہ نہ ہو جسے صبی ممیز کہا جاتا ہے تو پھر اس کی تادیب جائز ہے۔ اس حالت کا زمانہ سات سے بلوغت تک رہتا ہے۔ اس مدت میں اگرچہ بچے کی تادیب جائز ہے، مگر اس کا کوئی فعل یا ترکِ فعل خواہ کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو، وہ جرم نہیں ہے اور اس پر فوجداری سزا کا اجراء ناجائز ہے۔ بلوغت کے بعد بچے کا فعل جرم بن جاتا ہے اور اس کو فوجداری سزا دینا بھی جائز ہوجاتا ہے۔

اولاد کے متعلق تادیب کا حق اس پہلو سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ شوہر کو تادیب (ضرب) کا حق ہے، مگر اس پر تادیب کا وجوب نہیں ہے، لیکن اولاد کی تادیب واجب ہے، کیونکہ ان کی تادیب سے مقصود ان کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان معاشرہ روزِ

اول سے لے کر آج تک اس کو ایک لازمی ذمہ داری سمجھتا چلا آ رہا ہے، گویا یہ ایک مسلمہ روایتی قدر ہے جس کو ممنوع قرار دینا خود جرم تو ہو سکتا ہے، مگر جائز قانون نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ بِل حقِ تادیب کے اس طور پر خلاف ہے کہ تادیب میں وعظ و نصیحت اور پھر تخویف و تہدید بھی شامل ہے، مگر اس بِل کی شقوں کا سہارا لے کر اولاد عدالت پہنچ سکتی ہے کہ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی ہے، اس سے پوچھ گچھ ہوتی ہے، اسے جھاڑ پلائی جاتی ہے اور اس طرح اسے گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

نظریہ، تہذیب اور اقدار کے خلاف

ہر معاشرہ کسی نظریے پر کھڑا ہوتا ہے۔ ہم بھی بحیثیت قوم ایک نظریہ رکھتے ہیں۔ جس قوم کی بنیاد نظریے پر ہو اسے نظریے کی اسی طرح حفاظت کرنا پڑتی ہے جس طرح اسے اپنی جان کی حفاظت کرنا ہوتی ہے جیسے پاکستان کی اساس اسلام اور دو قومی نظریہ پر ہے اور یہی نظریہ اس کی بقا اور تحفظ کا ضامن ہے۔ اب اگر یہ نظریہ شکست کھاتا ہے تو پاکستان بھی معاذ اللہ شکست و ریخت سے دوچار ہو جائے گا۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ کسی قانون کے انتظامی پہلو پر تو گفتگو کی جاتی ہے اور اس کے ظاہری خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے مگر اس کی فکری بنیادوں اور نظری اساسوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ اگر اس بِل کو محض ایک قانون کی حیثیت سے دیکھیں تو ہزاروں قوانین پر مزید ایک قانون کا اضافہ کوئی زیادہ تشویش کی بات نہیں مگر جیسا کہ ذکر ہوا کہ قانون محض ایک ضابطہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے پیچھے تصورِ حیات کا نظریہ کارفرما ہوتا ہے اور یہ معاشرے کی رہنمائی کرتا ہے ورنہ معاشرہ خود رہنما بن جاتا ہے۔

قانون کے اسی پہلو پر بحث کرتے ہوئے راہ حق کے شہید، ممتاز فقیہ اور قانون داں شیخ عبد القادر عودۃ شہید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قانون کے بارے میں بنیادی اُصول یہ ہے کہ مختلف عقائد ونظریات رکھنی والی اقوام کے قانونی نظام ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور ہر قوم کا قانون اس کے احساسات اور افکار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔قوم کے ماضی، حال اور مستقبِل سے قوانین کا گہرا تعلق ہوتا ہے اور ہر قانون میں قوم کے اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی تصورات کا عکس موجود ہوتا ہے۔قومی مزاج کا اختلاف لازمی قانون کے اختلاف کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔جاپان کا قانونی ضابطہ ہندوستان کے قانونی ضابطہ سے اتنا ہی مختلف ہے جتنی کے جاپانی قوم ہندی قوم سے اپنے معتقدات ونظریات میں مختلف ہے۔روسی قانون اور انگریزی قانون میں اسی نسبت سے امتیاز موجود ہے جس نسبت سے امتیاز ان دونوں قوموں کے افکار میں پایا جاتا ہے۔اس لحاظ سے عام بول چال میں جب ہم کسی خاص مجموعہ قوانین کو ایک خاص قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ نسبت محض ظاہری نام کی حد تک نہیں ہوتی بلکہ ایک حقیقی ربط وتعلق کو ظاہر کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنے قوانین کی مدافعت وحفاظت کے لیے کمر بستہ اور مستعد رہتی ہے اور اس کی توہین وتذلیل کو اپنی توہین وتذلیل خیال کرتی ہے۔اسی کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ ایک قوم کے قانون ساز اگر کسی دوسری قوم کا قانون مستعار لیتے بھی ہیں تو اسے جوں کا توں اپنے قوانین میں داخل نہیں کر دیتے بلکہ اس میں اس حد تک اصلاح وترمیم کر لیتے ہیں کہ وہ اپنے قانونی ڈھانچے میں بالکل بے جوڑ معلوم ہو۔ہر قوم اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ کسی دوسری قوم کی غلامی اور چاکری قبول کر لینے کی بدترین شکل یہ ہے کہ اس کے قوانین کو لے کر ادنی تغیر کے بغیر اپنے ہاں رائج کر دیا جائے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قوم نے اپنی انفرادیت کو خیر باد کہہ دیا اور دوسری قوم کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔(۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

(۱) اسلام کا نظام قانون، مرتبہ غلام علی، ترجمہ ''الإسلام واوضاعنا القانونية باللغة الاردية'' ص ۴۳۔

قانون نظام کے بھی جسمانی نظام کی طرح دو پہلو ہیں۔ایک اس کی روح ہے اور ایک اس کا جسم ہے۔قانون کے اندر جو معنویت کارفرما ہوتی ہے اور جو افراد وقوم سے اپنی بالادستی اور غلبے کو تسلیم کراتی ہے وہ درحقیقت روح قانون ہے اور الفاظ کا جامہ جو قانون کو پہنایا جاتا ہے وہ گویا جسد قانون ہے۔جس قانونی ڈھانچے کو دل ودماغ پر معنوی اور باطنی غلبہ واقتدار حاصل نہ ہو وہ ایک مردہ اور بے روح جسم کے مانند ہے۔تحریری انضباط اور کاغذ پر لکھے جانے کے باوجود اس قانون کی قدروقیمت اس کاغذ کے برابر نہیں ہوتی جس پر وہ لکھا گیا ہے۔قانون کی صلاحیت وافادیت کا اصل انحصار اسی غلبہ وگرفت پر ہے،یہ گرفت جتنی مضبوط ہوگی قانون بھی اتنا ہی طاقتور ہوگا اور گرفت جتنی کمزور اور ڈھیلی ہوگی قانون بھی اتنا ہی ضعیف اور بودا ہوگا۔

اس غلبہ وتسلط کو وجود میں لانے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے دو اسباب کی کارفرمائی ضروری ہے۔پہلا سبب خالص اخلاقی اور روحانی نوعیت رکھتا ہے اور یہ قانون کی تقدیس اور احترام کا وہ جذبہ ہے جو قانون کی اطاعت کرنے والوں کے دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے،اسی جذبے کا اثر ہوتا ہے کہ قانون کے سامنے صرف سر ہی نہیں بلکہ دل بھی جھک جاتے ہیں،جہاں یہ جذبہ موجود ہوتا ہے وہاں قانونی کی پیروی مارے باندھے اور کسماتے ہوئے نہیں کی جاتی بلکہ اس کا استقبال پوری خوش دلی اور نفس کی آمادگی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کو گناہ اور اخلاقی جرم خیال کیا جاتا ہے۔یہ پسندیدہ صورت حال اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ قانون کی بنیاد ایسے عقائد پر نہ رکھی جائے جن پر عوام الناس کا ایمان ہو یا ایسے اُصول اور مبادی پر نہ رکھی جائے جن کا اکرام واحترام لوگوں کے دلوں میں موجود ہو۔(۱)

(۱) ص ۵۸۔

نظریے کے علاوہ یہ ہماری تہذیب کے بھی خلاف ہے۔ مذہب سے تہذیب وجود میں آتی ہے یا کم از کم تہذیب مذہب سے متاثر ضرور ہوتی ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا آئینہ دار ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم تہذیب کو اپنائیں اور اس تہذیب کی روح سے بچ جائیں، ہم شکل وصورت کو لیں اور حقیقت و ماہیت سے متاثر نہ ہوں، اس بل کے نافذ ہوتے ہی ہم دھیرے دھیرے اس تہذیب میں ڈھلنا شروع ہو جائیں گے اور یہی ان کی کوشش ہے کہ جو نظام زندگی انہوں نے اختیار کر لیا ہے وہ ہم بھی اختیار کر لیں حالانکہ جب انہیں ان کے اقدار پر مبنی معاشرہ تشکیل دینے کا اختیار ہے تو ہمارا اپنے معاشرے کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا ان کو قابل قبول کیوں نہیں ہے۔

مذہب سے تہذیب تو تہذیب سے روایات و اقدار جنم لیتی ہیں۔ ہماری صدیوں پرانی روایات ہیں جو احترام اور تقدس کا درجہ رکھتی ہیں جب لوگوں کو ان سے ہٹایا جائے گا تو ان کا قلب اور ضمیر تنگی محسوس کرے گا کیونکہ ہر قوم اپنی روایات و اقدار اور اپنی عادات واطوار پر قائم رہنا چاہتی ہے۔ ایک مسلمان مسلمان ہی رہنا چاہتا ہے تو ایک انگریز بھی انگریز رہنے پر قانع ہے اور ایک جرمن بھی جرمن ہونے پر اطمینان محسوس کرتا ہے۔ صرف ان قوموں کا نہیں بلکہ ہر قوم کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی روایات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے۔ خود مغربی اقوام اگر پستی کا شکار بھی ہوں مگر اپنے سربراہ میں اخلاقی پستی ان کو گوارا نہیں اور اگر ایک مسلمان بچی اسکارف پہنتی ہے تو وہ چیخ اٹھتے ہیں کیونکہ ان کے اقدار کے خلاف ہے۔

اخلاقیات

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ دونوں کے ملاپ کا نام حیات اور افتراق کا نام موت ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک فانی اور دوسرا غیر فانی، ایک مادی اور دوسرا غیر مادی،

ایک زمینی دوسرا آسمانی، ایک مرئی اور دوسرا غیر مرئی ہے۔ایک زمین سے پیدا ہے، زمینی غذاؤں پر پھلتا اور بڑھتا ہے، زر، زن اور زمین پر جان دیتا ہے اور مر کر زمین میں چلا جاتا ہے جب کہ دوسرا اللہ تعالی کا امر ہے، آسمانی اعمال اس کی غذا ہیں، آسمانی اعمال سے ہی اسے تسکین ہوتی ہے اور بالآخر آسمان کی طرف چلی جاتی ہے۔

ان دونوں میں سے جس طرح جسم خوب صورت یا بدصورت ہوتا ہے، اسی طرح روح بھی خوب صورت یا بدصورت ہوتی ہے۔جسم بدصورت ہو تو اسے بدصورت اور روح جب بدصورت ہوتی ہے تو اسے بدخلق یا بداخلاق کہتے ہیں۔ایسی بدصورت روح کو تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور تزکیہ ہی ہمارے ہادی و رہنما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی بنیادی غرض ہے۔تزکیہ کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ایک پاکی وصفائی اور دوسرے نمو و ترقی۔ چنانچہ تزکیہ کے ذریعے انسان برے اخلاق سے پاک اور اچھے اخلاق سے مزین ہوجاتا ہے۔اسی تزکیہ کو اصلاح نفس، تہذیب اخلاق، تعمیر سیرت یا تعمیر شخصیت سے تعبیر کرتے ہیں، اسی کا عنوان باطنی اصلاح اور عملی تربیت ہے اور یہی تصوف کی اصل ہے جسے احسان وسلوک اور طریقت وحقیقت کہا جاتا ہے۔فقہ سے اگر بدن کے ظاہری افعال درست ہوتے ہیں تو طریقت سے قلب کے افعال درست ہوتے ہیں اور قلب کے درستگی کے بعد تمام ہی معاملات درست ہوجاتے ہیں۔ تزکیہ یا بالفاظ دیگر حسن خلق اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ تمام انبیاء نے اس کی دعوت دی ہے، اسے نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے اور قرآن کریم نے اسے جابجا نبوت کے فرائض میں شمار کیا ہے۔

هو الذي بعث في الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفي ضلال مبین[سورة الجمعة: آیة 2]

ترجمہ: وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

قرآن کریم کو بھی اصل دلچسپی اخلاقیات اور روحانیات سے ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ جب خالص قانونی احکام بھی بیان کرتا ہے تو ان کا اختتام اخلاقی قدروں کے ساتھ کرتا ہے اور ان قدروں کو احکام کی غرض وغایت قرار دیتا ہے۔ قرآن پاک کو سیاسیات، سماجیات، حیاتیات یا معاشیات کی کتاب تو نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن وہ اخلاقیات کی کتاب ضرور ہے اور اس کا اصل زور حسن اخلاق اور حسن کردار پر ہے۔ وہ اگر عدل کا حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی احسان کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اگر وہ بذریعہ قانون افعال کی اصلاح کرتا ہے تو اس سے پہلے قلب کی اصلاح چاہتا ہے۔ اگر وہ ظاہری اعمال کا حکم دیتا ہے تو ان کا مقصود باطنی کیفیات صبر، شکر، حلم، ادب وحیاء، عجز وانکساری، خیر خواہی اور ہمدردی وغیرہ کو قرار دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ اس کی عملی شکل قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایک منظم اسکیم کے طور پر اس کے جاری رکھنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

حسن اخلاق کے پہلو سے اس بل کی خامی یہ ہے کہ فرد قانون کی ظاہری شکل تک محدود ہو جاتا ہے اور باطنی کیفیات جیسے ایثار، صبر، تحمل، بردباری، ہمدردی، خیر خواہی، شفقت ومحبت، عفو ودرگزر اور ادب وحیاء وغیرہ سب اس کے سامنے مجرد تصورات رہ جاتے ہیں۔ اب اگر مغرب اپنے قوانین میں اخلاقیات کو نظر انداز کرتا ہے تو قابل فہم ہے حالانکہ نظر انداز وہ بھی نہیں کر سکے ہیں مگر ہماری مقننہ کی آنکھوں سے اس قدر واضح حقیقت کیسے اوجھل ہو گئی حالانکہ ہمارے ہاں تو قانون سے مقصود ہی اخلاقی قدروں کا تحفظ ہے اور اسی سے قانون کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ قانون کا وجود اور اس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ جرم کا خاتمہ

مقصود ہے اور جرم وہ ہے جو گناہ ہے اور گناہ وہ ہے جو اخلاقی لحاظ سے قابِل مذمت ہے۔

ے وانما الامم الاخلاق مابقیت

فان هم ذهبت اخلاقهم ذهبوا

قومیں اس وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں اخلاق زندہ ہوں اور اگر ان میں اخلاق ختم ہو گئے گو یا وہ خود ختم ہو گئیں۔

منصب قوامیت کے خلاف

انسان کو زمین آباد رکھنے کا حکم ہے۔زمین اس وقت آباد رہ سکتی ہے جب خود آباد کار یعنی انسان موجود ہے۔انسان کے وجود کا مہذب اور شریفانہ طریقہ نکاح ہے۔نکاح سے مرد وزن کا اجتماع ہوتا ہے جس سے اجتماعیت وجود میں آتی ہے۔اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لیے مرکزیت کی ضرورت ہوتی ہے۔مرکزیت پیدا کرنے کے لیے امارت شرط ہے اور امارت، اطاعت سے قائم رہتی ہے۔

لا إسلام إلا بجماعة، ولا جماعة إلا بإمارة، ولا إمارة إلا بطاعة.(١)

اب اگر گھر کے افراد گھر کے سربراہ کی اطاعت نہیں کریں گے تو اس کی سربراہی نہیں رہے گی، سربراہی ختم ہونے سے اختیارات کا ارتکاز ختم ہوجائے گا جس سے مرکزیت ختم ہوجائے گی، مرکزیت کے بکھرنے سے لامحالہ اجتماعیت اجتماعیت نہ رہے گی اور اجتماعیت نہ ہونے سے دین بھی جاتا رہے گا کیونکہ اجتماعیت کی ضد افتراق اور انتشار ہے اور حدیث شریف کی رو سے انتشار اور تفرقہ ایسا استرا ہے جو بالوں کو نہیں بلکہ دین کو مونڈ لیتا ہے۔

امارت اس حد تک ضروری ہے کہ کم سے کم اجتماع جو دو افراد کا ہوتا ہے اور عارضی سے

(١) أخرجه الدارمي في السنن باب ذهاب العلم رقم 257

عارضی اجتماع جو سفر میں ہوتا ہے، اس میں بھی امارت ضروری قرار دی گئی ہے تو جو اجتماع مستقل اور دائمی طور پر ہو اور جس میں دو سے زائد افراد کا اجتماع ہو وہاں امارت کیوں ضروری نہ ہوگی؟

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اگر ان تین افراد کے لیے بھی جو کسی جنگل میں ہوں یا ایک ساتھ سفر کر رہے ہوں، حکم شریعت یہ ہے تو اس بڑی تعداد کے مسلمانوں کے لیے جو کسی گاؤں یا شہر میں ایک ساتھ رہتے ہوں، یہ بدرجہ اولی مشروع ہوگا۔ (۱)

کوئی ادارہ ایسا نہیں ہوتا جس کا کوئی سر براہ نہ ہو۔ گھر بھی ایک ادارہ ہوتا ہے بلکہ ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی ہے جس میں ریاست کے رسمی عنوانات تو نہیں ہوتے لیکن ریاست کے لوازمات موجود ہوتے ہیں اور جو امور ریاست میں بڑے پیمانے پر اور پروفیشنل طریقے سے اور خاص ناموں سے انجام دیے جاتے ہیں وہی امور گھر میں چھوٹے پیمانے اور ناموں کی الجھن میں پڑے بغیر سادے طریقے سے انجام دیے جاتے ہیں۔ اگر بڑی ریاست حاکم اعلی کے بغیر نہ بن سکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے اور نہ قائم رہ سکتی ہے تو اس چھوٹی ریاست کو رئیس اعلیٰ سے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟ اگر مختلف اداروں میں مختلف ناموں سے سر براہ کی ضرورت سے انکار نہیں ہے تو گھر کے سر براہ پر اعتراض کیوں ہے؟ اگر کشتی بغیر ملاح، لشکر بِلا سالار، حکومت بِلا حاکم یہاں تک کہ کوئی بھی ادارہ بغیر منتظم اعلی کے نہیں ہو سکتا ہے تو گھرانہ بِلا سر براہ کیسے رہ سکتا ہے؟ میاں بیوی ایک ساتھ سوار اور ایک منزل کے مسافر ضرور ہیں مگر سواری کی لگام تو ایک ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ امور خانہ داری میں عورتوں اور بچوں کے مقابلے میں قرآن پاک مرد کو سر براہی بخشتا ہے۔

---

(۱) نیل الاوطار، جلد ۹ ص ۱۵۷ بحوالہ اسلام اور اجتماعیت، ص ۳۰۔

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم فالصالحات قانتات حافظات للغيب بما حفظ الله واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا ان الله كان عليا كبيرا . [سورة النساء: آية 34]

ترجمہ: مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور اگر (اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔

مرد، بیوی بچوں کی کفالت اور خاندان کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ دار ہے وبما انفقوا من اموالهم، اس پہلو سے وہ کفیل ہے۔ گھرانے اور ماتحتوں کے دین واخلاق کی نگرانی کا فریضہ بھی اس پر عائد ہے اس زاویہ سے وہ نگران ونگہبان ہے والرجل راع على بيته اسے قوامیت کے لوازم سپرد کیے گئے ہیں اس وجہ سے وہ قوام ہے۔ غیرت، مردانگی اور قوت اور شجاعت کے اوصاف اس میں زیادہ ہیں اور اس کی طبّیعت حاکمانہ اختیارات کے استعمال کی طرف مائل نظر آتی ہے اس لیے وہ حاکم ومحافظ ہے۔

مرد کی قوامیت کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کا تعلق حقوق سے نہیں بلکہ فرائض سے ہے یعنی مرد کی ذمہ داریاں عورت سے زیادہ ہیں۔ اگر اس موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بڑا عجیب ہوگا کہ مرد کو ذمہ دار تو بنایا گیا ہے مگر اسے ذمہ داری سے عہدہ برآ

ہونے کے لیے اختیار نہیں بخشا گیا ہے، وہ منتظم تو ہے مگر انتظامی فیصلوں کا حق نہیں رکھتا ہے، وہ خرچ تو کرے گا مگر خرچ کی نگرانی وہ نہیں کر سکتا ہے۔ عورت پر اس کی اطاعت فرض تو ہے لیکن اگر عورت اطاعت نہ کرے تو وہ سرزنش یا جواب پرسی نہیں کر سکتا ہے۔

اگرچہ عورت کا فریضہ اطاعت ہے مگر اس پر مرد کا اختیار برائے اصلاح ہے اور وہ اس طرح محکوم نہیں ہے جس طرح ایک کنیز ہوا کرتی ہے بلکہ اس کے ساتھ محبت کا تعلق ہے اور اسے مقام ناز حاصل ہے اور اطاعت بھی حدود کے اندر ہے اور ساتھ حسن معاشرت اور خیرخواہی کی بھی تلقین ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

1- ہر وہ اچھائی جو اسلام کے نزدیک اچھائی ہے اسے فروغ دینے کا حکم ہے اور ہر وہ برائی جو اسلام کی نظر میں برائی ہے اس سے روکنے کا حکم ہے۔ یہی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے۔ انبیائے کرام اسی کے لیے بھیجے گئے، کتابیں اسی مقصد کے لیے اتاری گئیں، ایک اسلامی ریاست اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے، اس امت کی افضلیت بھی اسی وجہ سے ہے۔ یہی مسلمانوں کا مقصد تخلیق، قومی مشن، ملی امتیاز، سرمایہ زندگی، شرف خصوصی، فرض منصبی ہے اور اسی سے اللہ پاک کی لعنت سے بچاؤ ہوتا ہے اور نجات اخروی ملتی ہے۔ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ بھی یہی ہے اور تخلقو باخلاق اللہ اور صبغۃ اللہ میں بھی اسی کو بیان کیا گیا ہے۔

2- معروف کسی خاص نیکی کو کسی خاص شعبے میں جاری کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ہر نیکی کا احاطہ کرتا ہے اور صنعت وحرفت، معیشت ومعاشرت اور عدالت وسیاست میں سے ہر شعبے کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ معروف کی طرح منکر کا لفظ بھی ہر برائی کو محیط ہے اور اس سے مراد ہر وہ بات اور طرز فکر ہے جو دین اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔ معروف کی اشاعت اور منکر

پر نکیر جس طرح حکام کا فریضہ ہے، اسی طرح عام لوگ بھی اپنی قدرت اور استطاعت کے مطابق اس کے مخاطب ہیں۔ یہ کام مسلمانوں کی مرضی اور صواب دید پر نہیں چھوڑا گیا ہے کہ چاہیں تو کریں اور چاہیں تو نہ کریں، کرلیا جائے تو اچھا ہے اور چھوڑ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ قطعی اور ضروری ہے۔ ایک دائرے میں یہ فرض عین ہے تو دوسرے میں فرض کفایہ ہے مثلاً اہل وعیال کی تعلیم وتربیت فرض ہے مگر گھر سے باہر خاندان کے دائرے میں اس کے ساتھ اور مسلمان بھی اس فریضے میں شریک ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ بہ تدریج یہ پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری بن جاتی ہے اور فرض کی نوعیت فرض عین کی نہیں رہتی بلکہ اجتماعی فریضے کی بن جاتی ہے۔

3- یہ اصلاح معاشرہ کی طرف بڑا اہم قدم ہے۔ اس سے معاشرے میں خیر غالب اور شر مغلوب رہتا ہے۔ حاکم محکوم پر اور محکوم حاکم پر اور ایک فرد دوسرے فرد پر نگراں اور محتسب بن جاتا ہے۔ امت کا ہر فرد داعی، مبلغ اور محتسب بن جاتا ہے۔ ہر شخص مینارہ نور اور ہر فرد بدی کا دشمن نظر آتا ہے۔ معاشرے میں نیکیوں کا رواج بڑھ جاتا ہے اور منکرات کے خلاف ایک مہم چل پڑتی ہے چنانچہ معاشرے کے افراد برائیوں کے خلاف ایک اسپیشل اسکواڈ اور خصوصی دستوں کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ یہ افراد اگر سوچا جائے تو ریاست اور قانون نافذ کرنے والوں اداروں کے معاون ومددگار ہوتے ہیں اور رضا کارانہ طور پر حکام کا فریضہ انجام دے رہے ہوتے ہیں ورنہ سرکاری کارندے نہ تو ہر منکر سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی ہر منکر کی بیخ کنی کے وسائل رکھتے ہیں۔ پوری امت برائیوں کے خلاف ایک فوج کا کردار ادا کرتی ہے، ایک ایسی فوج جس کا مقصود محض رضائے الٰہی ہوتا ہے اور اپنی سرگرمیوں پر نہ وہ صلے کی تمنا اور نہ ہی انعام کی ستائش رکھتے ہے۔ اسی سے نظم ملت برقرار رہتا ہے، افراد کی سلامتی کی ضمانت

مل جاتی ہے، جرائم کو پنپنے کا موقع نہیں ملتا اور نیکی کے فروغ کی مہم زور وشور سے جاری رہتی ہے۔

یہ بل معروف ومنکر کے اسلامی تصور کے خلاف ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ معروف وہ ہے جو اسلام میں معروف ہو ورنہ اس کا معروف ہونا تسلیم نہیں ہے۔ یہ بل مغربی تصور آزادی کو معروف قرار دیتا ہے اور اسی کا حصول اسے مطلوب ہے حالانکہ اسلامی اور مغربی تصور آزادی میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ مغرب بلاشبہ آزادی کی اصطلاح کا استعمال کرتا ہے اور اسے ایک بنیادی قدر قرار دیتا ہے مگر وہ عنوان اسلامی لیتا ہے اور اس کے اندر اپنی حقیقت بھر دیتا ہے۔

بل میں کئی مقامات پر معروف کے فروغ اور منکر پر نکیر کو جرم قرار دیا گیا ہے، اس قباحت کی وجہ سے یہ بل تمام اسلامی شعبہ جات کا مخالف ٹھہرتا ہے کیونکہ تمام اسلامی شعبہ جات کا مقصد یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

> جميع الولايات الاسلامية انما مقصودها الامر بالمعروف والنهى عن المنكر.(۱)
>
> اسلامی حکومت میں تمام اختیارات کا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔
>
> اسلامی ریاست معروف اور منکر کے تصورات پر کھڑی ہوتی ہے۔
>
> الذين ان مكناهم في الارض اقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وامرهم بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور. [سورة الحج: آية 41]
>
> ترجمہ: یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں۔ اور تمام

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۸ ص ۶۶۔

کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔

اسلامی قانون کا مقصد بھی خیر کا فروغ اور شر کی بیخ کنی ہے۔شعبہ احتساب بھی یہی فریضہ انجام دیتا ہے۔علماء اور مصلحین دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دیتے ہیں جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نرم شکل ہے،صوفیاء بھی نرمی سے اس فریضے کو ادا کرتے ہیں جسے تصوف کہتے ہیں،مجاہدین اس فریضے کو سختی سے بروئے کار لاتے ہیں جسے جہاد کہتے ہیں۔اسلامی معاشرہ اپنے اقدار کے ذریعے اور ریاست قانون کے ذریعے منکر سے روکتی ہے۔ریاست منکر کے ارتکاب پر مجرم کو سزا دیتی ہے اور معاشرے میں مجرم گھٹن اور بے چینی محسوس کرتا ہے اور اسے لعنت وملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔الغرض اسلامی شعبہ جات کی روح یہی خیر وشر کا فرق اور اول کا پرچار اور ثانی کا انکار ہے مگر یہ بل اس پر قدغن لگاتا ہے۔

اجتماعیت کا قاتل بل

پھول کے ساتھ خوشبو،آگ کے ساتھ حرارت، پانی کے ساتھ برودت اور ماں کے ساتھ ممتا لازم ہے تو انسان کے ساتھ اجتماعیت لازم ہے۔انسان بہت پہلے سے اجتماعی سفر میں ہے۔جنت میں مرد وزن مل کر نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

وقلنا یاآدم اسکن انت وزوجك الجنة وکلا منها رغدا حیث شئتما.

[سورة البقرة: آیة 35]

ترجمہ:اور ہم نے کہا:'' آدم!تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو،اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ''۔

جنت سے نکالے گئے تو دونوں ساتھ نکالے گئے:

فازلهما الشیطان عنها فاخرجهما مما کانا فیه [سورة البقرة: آیة 36]

ترجمہ:''پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا،اور جس (عیش)

میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا‘‘۔

زمین پر اتارے گئے تو اجتماعی طور پر اتارے گئے:

قلنا اھبطوا منھا جمیعا. [سورۃ البقرۃ: آیۃ 38]

ترجمہ: ہم نے کہا اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔

اجتماعیت انسان سے کسی دور میں بھی جدا نہیں ہوئی ہے۔عمرانیات کے ماہرین اس کی وجوہات میں لکھتے ہیں کہ انسان کو اپنے ہم جنسوں میں کشش محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنی ضروریات کے لیے اپنے ابنائے جنس کا محتاج رہتا ہے۔گویا محبت اور ضرورت وغیرہ ایسے عوامل ہیں جس کی وجہ سے انسان جماعتی زندگی اختیار کرتا ہے۔ارسطو کہتا ہے:

’’انسان پیدائشی طور پر ایک سیاسی حیوان ہے۔‘‘(۱)

اور عمرانیات کے بانی علامہ ابن خلدون اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ:

’’افراد انسانی کا اکھٹے مل کر رہنا سہنا ایک ناگزیر بات ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جسے اہل علم و دانش اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔‘‘(۲)

یہی اجتماعیت ہے جو خاندان کی شکل میں ڈھل جاتی ہے، خاندان کی اکائیاں قبائلی وحدت میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور قبائلی وحدتیں مل کر معاشرے کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔مگر ان دو عوامل محبت اور ضرورت سے بھی قوی تر عامل یہ ہے کہ انسان کی فطرت اجتماعیت پسند واقع ہوئی ہے۔انسان کی فطرت اسلام ہے اور اسلام اجتماعیت کا دین ہے اور اس وجہ سے اس کے احکام پر اجتماعیت کی گہری چھاپ ہے۔

---

(۱) بحوالہ اسلام اور اجتماعیت، صدرالدین اصلاحی، ط: اسلامک پبلی کیشنز، ص ۱۰۔

(۲) حوالہ بالا ص ۱۱۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اسلام انسان کے لیے کوئی اجنبی اور ناموس پیغام نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت کا ترجمان اور اس کی فطری تقاضوں کا شارح ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام فطری ضروریات کو کچلتا نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل کرتا ہے چنانچہ اگر انسان کھانے پینے، بقاء نسل اور اولاد کی تربیت کی خواہش رکھتا ہے تو اسلام قرار دیتا ہے کہ انسان پر اس کے رب کے حقوق کے علاوہ اس کے جسم کے، اعضاء کے اور اہل وعیال وغیرہ کے بھی حقوق ہیں۔اجتماعیت کو مدنظر رکھ اسلام انسان کو خطاب کرتا ہے اور اس کی اس حیثیت کا تعین کر کے اسے خطاب کرتا ہے کہ وہ مل جل کر رہنے والی مخلوق ہے۔وہ تنہا ایک فرد نہیں بلکہ ایک قوم کا فرد ہے، ایک قبیلے کا رکن ہے اور ایک معاشرے کا جزء ہے اور اپنے ساتھ گھر بار، قوم قبیلے، بازار، معاشرے، انجمن اور جماعت کی وابستگیاں رکھتا ہے۔

یایھاالناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر. [سورۃ الحجرات: آیۃ 13]

ترجمہ: اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

قومی اور ملی امور میں بھی اسلام اجتماعیت پر کس قدر زور دیتا ہے وہ کسی ذی ہوش اور عاقل سے مخفی نہیں ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا. [سورۃ آل عمران: آیۃ 103]

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

معلوم ہوا کہ جن راہوں سے گزر کر انسان اپنے تخلیق کی منشاء اور وجود کی غرض وغایت کو حاصل کرسکتا ہے وہ منظم اجتماعی زندگی سے ہوکر گزرتا ہے۔ قومی اور ملی امور کے علاوہ عام امور کو بھی جماعتی نظم کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں یعنی اگر چہ وہ تعداد میں زیادہ نہ ہوں اور آبادی میں نہیں بلکہ کسی ویرانے یا جزیرے میں ہوں پھر بھی نظم اور اجتماعیت کے ساتھ وقت گزاریں:

اگر ان تین افراد کے لیے بھی جو کسی جنگل میں ہوں یا ایک ساتھ سفر کررہے ہوں، حکم شریعت یہ ہے تو اس بڑی تعداد کے مسلمانوں کے لیے جو کسی گاؤں یا شہر میں ایک ساتھ رہتے ہوں، یہ بدرجہ اولی مشروع ہوگا۔ (نیل الاوطار، جلد 9 ص 157 بحوالہ اسلام اور اجتماعیت، ص 30)

انسانی زندگی کا وہ شعبہ جس میں ذہن گوشہ نشینی اور تنہائی کی طرف جاتا ہے اور جس میں یکسوئی اور خلوت نشینی کی ضرورت ہوتی ہے، اسلام اس میں بھی اجتماعی آداب کو ناگزیر ٹھہراتا ہے چنانچہ عبادات جو گردوپیش سے لاتعلقی چاہتی ہے، شریعت نے اسے سامان جلوت بنادیا ہے اور اس کے لیے بھی اجتماعیت کی ضرورت محسوس کی ہے۔ عبادات میں سب سے اہم نماز ہے۔ نمازوں میں ہر قسم کی نماز میں سورہ فاتحہ ضروری ہے۔ یہ سورت جو مسلمانوں کی قومی دعا، مذہبی ترانہ اور ملی نغمہ ہے، اس میں "نعبد، نستعین، اھدنا" وغیرہ کی صورت میں واحد متکلم کے نہیں بلکہ جمع متکلم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ رکوع سے اٹھتے وقت "ربنا لك الحمد"، تشہد میں "السلام علینا وعلى عباد الله الصالحين" اور نماز سے باہر آتے وقت "السلام علیکم" کی شکل میں جمع کے صیغے تجویز ہوئے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں اہمیت اجتماعیت کی ہے حالانکہ عبادات جلوت کی ہماہمی کو نہیں بلکہ تنہائی کا سکوت چاہتی

ہیں۔مزید غور کریں تو نماز کے لیے صرف گھر سے نکلنا نہیں بلکہ خاص مقام میں اجتماع ضروری ہے اور سب جمع ہو کر اپنے اپنے طور پر یاد الٰہی میں مصروف ہو جائیں یہ بھی کافی نہیں ہے بلکہ ایک ہی وقت میں ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی طرف رخ رکھنا ضروری ہے۔امام ایک ہو گا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے ہیں اور وہ پوری قوم کو اٹھا اور جھکا سکتا ہے مگر قوم از خود اٹھ اور بیٹھ نہیں سکتی ہے۔وہ غلطی پر ہو تو اسے بتا سکتے ہیں مگر نیت توڑ کر اجتماعیت کو چھوڑ نہیں سکتے۔نماز میں سمٹ کر پوری زندگی کا نقشہ آجاتا ہے،اگر نماز میں جب کہ انسان حضوری کی حالت میں ہوتا ہے اور خالص خدائی حق کو ادا کر رہا ہوتا ہے،اگر اس حالت میں وہ اجتماعیت سے بے گانہ نہیں ہو سکتا اور ظاہری اور جسمانی طور پر اکھٹا ہونے کے علاوہ اسے ذہنی اور فکری طور پر دوسرے مسلمانوں سے یگانگت اور وحدت کا مظاہرہ کرنا ہے تو خارجی زندگی میں اور عائلی معاملات میں وہ دوسروں سے بے ربط کیسے ہو سکتا ہے؟

زکوۃ کی بنیاد یہ ہے کہ اس سے نفس اور مال کا تزکیہ ہوتا ہے جو رحم دلی،انفاق اور ایثار کے جذبے سے حاصل ہوتا ہے،اسی مقصد کے لیے فرد کے مال میں جماعت کا حصہ رکھا گیا ہے تاکہ جماعت کی اقتصادی حالت بہتر ہو،اس طرح فرد جماعت سے جڑ جاتا ہے۔روزہ ایک خاص وقت میں خاص وقت کے لیے رکھا جاتا ہے جس میں خاص افعال سے بچنا ہوتا ہے،پورا مسلم معاشرہ ایک مہینے تک ایک منضبط تربیتی کیمپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مشرق سے مغرب ایک فضائے عبودیت چھائی ہوتی ہے۔حج تو سراسر اجتماعیت ہے۔

ایک طرف اجتماعیت کی یہ اہمیت ہے دوسری طرف یہ بل ہے جو اجتماعیت کا قاتل ہے جو فرد کو اپنی ذات میں گم اور اپنی انا کے خول میں بند کر دیتا ہے جو گویا ایک الگ جزیرے کا مکین ہے اور لامساس کی عملی تصویر ہے۔

خودسرا اتنا ہے کہ بزرگوں کی نصیحت اس کے لیے فضیحت ہے۔

تند خوایسا ہے کہ چند جملوں کی وجہ سے سگے بھائیوں اور بہنوں اور حقیقی والدین کو بے گھر کر سکتا ہے۔

ایسا منتقم مزاج کہ ذراسی بات پر دوسرے کو تھانے اور عدالتوں کی دھول چھٹا سکتا ہے۔

ایسا مفاد پرست اور محسن کش ہے کہ سب سے حقوق کا طالب ہے مگر کسی دوسرے کو اپنے اوپر حق دینے کو تیار نہیں ہے۔

آزاد اتنا ہے کہ رہنا چاہے تو گھر، شیلٹر ہوم، پناہ گاہ میں کہیں بھی رہ سکتا ہے۔

جانا چاہے تو آشنا کے ساتھ جا سکتا ہے۔ لینا چاہے تو سرپرست کو کنگال کر سکتا ہے، روکنا چاہے تو تمام رشتہ داروں کو روک سکتا ہے۔

ان سب کی وجہ یہ ہے کہ میڈیا اس کی تائید میں ہے، انتظامیہ اس کی پشت پر ہے اور قانون اس کی حمایت میں ہے۔

بِل کا اردو متن

[قائمہ کمیٹی کی رپورٹ کردہ صورت میں]

گھریلو تشدد کے خلاف خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار شخص کے تحفظ، دادرسی اور بحالی کا مؤثر نظام قائم کرنے کا بِل

چونکہ دستور تمام اشخاص کے بنیادی حقوق، ان کے وقار اور قانون کی مطابقت میں ان کے ساتھ برتاؤ کیے جانے کے ان کے حق کو تسلیم کرتا ہے؛

چونکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ خواتین، بچوں اور بڑوں اور کسی بھی نادار شخص کو مؤثر خدمات کی فراہمی کے لیے تحفظاتی نظام قائم کیا جائے تاکہ ایسا ممکنہ ماحول پیدا کیا جائے جو خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کی معاشرے میں اپنی خواہش کے مطابق آزادانہ کردار ادا کرنے میں حوصلہ افزائی کی جاسکے اور سہولت دی جاسکے اور اس کے ضمنی معاملات کے لیے انتظام کیا جاسکے؛

اور ہرگاہ کہ یہ قرین مصلحت ہے کہ اقدامات کو ادارہ جاتی بنایا جائے جو تمام اشخاص، بشمول خواتین، بچوں، بڑوں اور کسی بھی نادار اشخاص کو گھریلو تشدد اور اس سے منسلکہ یا اس کے ضمنی معاملات کی روک تھام اور فراہمی تحفظ کے لیے ضروری حفظ ماتقدم فراہم کریں گے؛

بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا گیا ہے:

حصہ اول

ابتدائیہ

1۔ مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ:

(1) یہ ایکٹ گھریلو تشدد (تدارک و تحفظ) ایکٹ، 2020ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

(2) یہ دارالحکومت اسلام آباد کے تمام علاقے پر وسعت پذیر ہوگا۔

(3) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

2۔ تعریفات:

(1) اس ایکٹ میں تاوقتیکہ کوئی امر موضوع یا سیاق و سباق کے منافی نہ ہو:

(ایک) ''متضرر شخص'' سے کوئی بھی خاتون، بچہ بڑا کوئی بھی نادار شخص یا کوئی بھی دیگر شخص مراد ہے جو مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ چکا ہو اور جو الزام لگاتا ہو کہ مسئول الیہ کی جانب سے گھریلو تشدد کے کسی فعل کے تابع رکھا گیا ہے؛

(دو) ''بچہ'' سے مسئول الیہ کے ساتھ گھریلو رشتہ میں رہنے والا اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی فرد مراد ہے اور اس میں کوئی بھی متبنیٰ، سوتیلا یا رضاعی بچہ شامل ہے؛

(تین) ''مجموعہ'' سے مجموعہ ضابطہ فوجداری، 1898ء (ایکٹ نمبر 5 بابت 1898ء) مراد ہے؛

(چار) ''عدالت'' سے مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت مراد ہے اور جج کو مجموعہ ضابطہ فوجداری کے تحت تمام اختیارات حاصل ہوں گے اس میں تحفظ دینے، خرچہ، معاوضہ یا ہرجہ دینے جیسا کہ منصفانہ اور مناسب ہوگا، اختیار شامل ہے؛

(پانچ) ''گھریلو تعلق'' سے اشخاص کے درمیان تعلق مراد ہے جو گھر میں اکٹھے رہتے ہوں، یا کسی بھی وقت رہ چکے ہوں اور خواہ ہم نسبی، شادی، قرابت داری، تبنیت کی رو سے تعلق رکھتے ہوں، یا خاندان کے اراکین اکٹھے رہ رہے ہوں یا کسی بھی دیگر وجہ سے عارضی طور پر یا مستقل طور پر ایک مقام پر رہائش پذیر ہوں؛

(چھ) ''گھریلو تشدد'' وہی معنی رکھتا ہے جیسا کہ دفعہ 3 میں اسے تفویض کیے گیے ہیں؛

(سات) ''گھر'' سے ایسا گھر مراد ہے جہاں متضرر شخص رہتا ہو یا کسی بھی مرحلے پر آیا کہ اکیلا یا مسئول الیہ کے ہمراہ گھریلو تعلق میں رہ چکا ہو اس میں مذکورہ گھر شامل ہے خواہ ملکیتی ہو یا متضرر شخص اور مسئول الیہ کی جانب سے مشترکہ طور پر کرایہ پر لیا گیا ہو یا ان میں سے ایک کی جانب سے ملکیتی ہو یا کرایہ پر لیا گیا ہو، کوئی بھی ایسا گھر جس کی نسبت متضرر شخص یا مسئول الیہ یا دونوں مشترکہ طور پر یا اکیلے کوئی حق، حقیت، مفاد یا نسبت رکھتے ہوں اور اس میں ایسا گھر شامل ہے جو کہ مشترکہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کا مسئول الیہ رکن ہو، اس حقیقت سے قطع نظر کہ آیا مسئول الیہ یا متضرر شخص مذکورہ شراکت شدہ گھر میں حق، حقیت، مفاد رکھتا ہو؛

(آٹھ) ''مخبر'' سے ایسا شخص مراد ہے جو باوثوق معلومات رکھتا ہو کہ اس ایکٹ کے تحت جرم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے؛

(نو) ''مالی امداد'' سے مالی امداد مراد ہے جس کا حکم عدالت دفعہ 9 کے تحت دے سکتی ہے؛

(دس) ''اعلامیہ'' سے جریدہ پاکستان میں شائع شدہ اعلامیہ مراد ہے؛

(گیارہ) ''مقررہ'' سے ایکٹ کے تحت وضع کردہ قواعد کی رو سے مقررہ مراد ہے؛

(بارہ) ''کمیٹی تحفظ'' سے دفعہ 15 کے تحت تشکیل کردہ کمیٹی مراد ہے؛

(تیرہ) ''افسر تحفظ'' سے دفعہ 19 کے تحت وزارت انسانی حقوق کی جانب سے نامزدہ کردہ افسر مراد ہے؛

(چودہ) ''تحفظ دینے کا حکم'' سے دفعہ 8 کے مفہوم میں دیا گیا حکم مراد ہے؛

(پندرہ) ''مسئول الیہ'' ایک شخص ہے جو متضرر شخص کے ساتھ گھریلو تعلق میں ہو، یا رہ چکا ہو اور اس ایکٹ کے تحت جس کے خلاف دادرسی مانگی گئی ہو؛

(سولہ) ''حکم رہائش'' سے مراد دفعہ 9 کے مفہوم میں دیا گیا حکم مراد ہے؛

(سترہ) ''سروس فراہم کنندہ'' سے متضرر شخص کے تحفظ کے لیے قانونی، طبّی، اور مالیاتی یا کوئی بھی دیگر معاونت فراہم کرنے کے لیے کوئی بھی ایسی سرکاری سہولت یا قائم کردہ رجسٹرڈ رضا کارانہ تنظیم مراد ہے۔ اس میں پناہ گاہیں بھی شامل ہیں؛ اور

(اٹھارہ) ''نادار شخص'' سے کوئی شخص مراد ہے جو ضعیف العمری، ذہنی بیماری، یا جسمانی، تدریسی، نفسی سماجی یا دیگر معذوری کی وجہ سے، یا دیگر کوئی خاص وجہ سے نادار ہو۔

(2) الفاظ اور فقرے جو اس ایکٹ میں واضح نہیں کیے گئے ہیں ان کا وہی مفہوم ہوگا جیسا کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان 1898ء (ایکٹ نمبر 45 بابت 1898ء) اور مجموعہ ضابطہ فوجداری، 1860ء (ایکٹ نمبر 5 بابت 1860ء) میں ان کا تعین کیا گیا ہے۔

باب دوم

گھریلو تشدد

3- گھریلو تشدد:- گھریلو تشدد سے مسئول الیہ کی جانب سے خواتین، بچوں، نادار اشخاص، یا کسی بھی دیگر شخص کے خلاف ارتکاب کردہ جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، جنسی اور معاشی استحصال کے تمام افعال مراد ہوں گے جس کے ساتھ مسئول الیہ گھریلو تعلق میں ہو یا رہ

چکا ہو جو کہ متضرر شخص میں خوفِ جسمانی یا نفسیاتی ضرر کا باعث بنتا ہو۔

توضیح اول: اس دفعہ کی اغراض کے لیے:۔

(الف) ''جسمانی استحصال'' سے مراد تمام افعال جن کے ذریعے سے نادار شخص کو جسمانی ضرر دیا گیا ہو اور اس میں مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے ابواب سولہ الف، سترہ، بیس، بیس الف کے تحت تمام جرائم شامل ہیں۔ بعد ازیں جن کا حوالہ اس دفعہ میں پی پی سی (PPC) کے طور پر دیا گیا ہے۔

(ب) ''جذباتی، نفسیاتی اور زبانی استحصال'' جہاں متضرر شخص مسئول الیہ کے ہتک آمیز یا ذلت آمیز برتاؤ کے طرزِ عمل میں مبتلا ہو اور اس میں شامل ہے لیکن اس تک محدود نہ ہوگا:

(اول) حسد یا رقابت میں مبتلا رکھنے کا متواتر مظاہرہ کرنا جو ستم رسیدہ کی خلوت، آزادی، اخلاقی بلندی اور سلامتی پر متواتر چڑھائی کا باعث بن رہا ہو۔

(دوم) متضرر شخص کی کھل کر بے عزتی کرتا ہو یا مذاق اڑاتا ہو۔

(سوم) دھمکی دیتا ہو جو زوجہ یا شراکت شدہ گھر کے دیگر اراکین میں فطری تکلیف کا باعث بنتا ہو۔

(چہارم) دیوانگی یا ناپیداواری کی بے بنیاد اتہام پر طلاق دینے یا دوسری شادی کرنے کی دھمکی دیتا ہو۔

(پنجم) شراکت شدہ گھر کی عورت یا کسی بھی رکن کے کردار پر جھوٹا الزام لگا رہا ہو۔

(ششم) متضرر شخص کی جان بوجھ کر یا غفلت سے عدم خبر گیری کرتا ہو۔

(ہفتم) پیچھا کر رہا ہو۔

(ہشتم) ہراساں کرتا ہو۔

یا (نہم) بیوی کو شوہر کے علاوہ کسی بھی فرد کے ساتھ مقاربت کرنے پر مجبور کر رہا ہو۔

(ج)''جنسی زیادتی''میں جنسی نوعیت کا کوئی بھی طرز عمل جو کہ نادار شخص یا کسی بھی دیگر شخص کی حرمت کی آبروریزی کرتا ہو، تذلیل کرتا ہو، تحقیر کرتا ہو یا بصورت دیگر خلاف ورزی کرتا ہو، شامل ہیں۔

(د)''معاشی استحصال''میں معاشی یا مالیاتی ذرائع سے دانستہ محرومی یا مذکورہ ذرائع تک رسائی جاری رکھنے میں ممانعت یا پابندی شامل ہے جس میں متضرر شخص کو فی الوقت نافذ العمل کسی بھی قانون یا رسم ورواج کے تحت مستحق کیا گیا ہو۔

توضیح دوم:- تعین کرنے کی غرض سے کہ آیا مسئول الیہ کا کوئی بھی فعل، ترک فعل، ارتکاب یا طرز عمل اس دفعہ کے تحت ''گھریلو تشدد'' کو تشکیل دیتا ہے تو معاملے کے تمام تر حقائق اور حالات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

4۔سزا:- (1) اگر پی پی سی (PPC) کے تحت آنے والے کسی جرم کا ارتکاب گھریلو تعلق میں کیا گیا ہو جرائم قابل سزا ہوں گے۔ جیسا کہ پی پی سی (PPC) کے تحت فراہم کئے گئے ہیں۔

(2) اگر ارتکاب شدہ جرم پی پی سی (PPC) کے تحت نہ آتا ہو تو گھریلو تشدد کے فعل میں زیادہ سے زیادہ تین سال کی مدت کے لیے قیدِ محض کی سزا دی جائے گی اور یہ ارتکاب شدہ گھریلو تشدد کے فعل کی کثافت پر انحصار کرتے ہوئے چھ ماہ سے کم نہ ہوگی، اور ایک لاکھ روپے جرمانہ اور کم سے کم بیس ہزار روپے متضرر شخص کو تلافی کے طور پر بھی ادا کیا جائے گا۔

(3) جرمانے کی ادائیگی سے قاصر ہونے پر عدالت تین ماہ کی قیدِ محض دے سکے گی۔

(4) جو کوئی بھی گھریلو تشدد کے جرم کے ارتکاب کرنے میں مدد یا اعانت کرتا ہو تو جرم

کی بابت فراہم کردہ اسی سزا کا مستوجب ہوگا۔

باب سوم

گھریلو تشدد سے تحفظ

5-عدالت میں درخواست:- (1) کوئی متضرر شخص یا متضرر شخص کی جانب سے مجاز کردہ کوئی بھی دیگر شخص عدالت کو درخواست پیش کر سکے گا جس کی اختیارِ سماعت کے اندر؛

(الف) متضرر رہتا ہو یا کاروبار چلاتا ہو؛ یا

(ب) مقام جہاں مسئول الیہ اور متضرر آخری مرتبہ اکھٹے رہے ہوں۔

(2) عدالت سماعت کی پہلی تاریخ مقرر کرے گی، جو کہ عدالت کی جانب سے درخواست کی وصولی کی تاریخ سے سات دن سے زائد نہ ہوگی۔

(3) درخواست کی وصولی پر عدالت حکم عارضی جاری کرنے کے ساتھ یا بغیر، شخص جس کے خلاف شکایت کی گئی ہو، کو نوٹس جاری کرے گی اور نوٹس کی وصولی کے سات دن کے اندر اظہارِ وجوہ کے لیے اس کا/اس کی جواب طلبی کرے گی کہ اس بابت گھریلو تشدد کے کسی فعل کے ارتکاب کرنے پر حکمِ تحفظ اس کے/اس کی خلاف کیوں نہیں دیا جائے گا جیسا کہ درخواست میں مظہرہ ہو۔

(4) ذیلی دفعہ (1) کے تحت دی گئی درخواست کا فیصلہ نوے دنوں کی مدت کے اندر کیا جائے گا اور عدالت کی جانب سے تحریراً قلم بند کی گئی وجوہات کی بناء پر کوئی التواء دیا جائے گا۔

6-گھر میں رہنے کا حق:- (1) فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوصف، متضرر شخص کو حق حاصل ہوگا کہ شراکت شدہ گھر میں رہے، خواہ متضرر شخص اس

میں کوئی حق، حقیت یا حق استفادہ رکھتا ہو یا نہ ہو۔

(2) متضرر شخص گھر میں، یا عدالتی حکم کے تحت مالیاتی وسائل کے مطابق مسئول الیہ کی جانب سے انتظام کی گئی متبادل رہائش گاہ میں، یا کسی بھی سروس فراہم کنندہ کی جانب سے انتظام شدہ پناہ گاہ میں رہنے کی بابت چناؤ کر سکے گا۔

7- حکم عارضی دینے کا اختیار:- (1) عدالت، اس ایکٹ کے تحت کسی بھی کاروائی میں درخواست دینے کے کسی بھی وقت اور مرحلے پر ایسا حکم عارضی صادر کر سکے گی جسے وہ منصفانہ اور مناسب سمجھے۔

(2) اگر عدالت کو اطمینان ہو کہ درخواست میں بادی النظری ظاہر ہوتا ہے کہ مسئول الیہ گھریلو تشدد کے فعل کا ارتکاب کر چکا ہے یا یہ کہ یہ قرینِ قیاس ہو کہ مسئول الیہ گھریلو تشدد کے فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے، تو وہ عدالت کے روبرو رکھے گئے متضرر شخص کے حلف نامے یا کسی بھی دیگر شہادت یا مواد کی بناء پر حکم جاری کر سکے گی جیسا کہ مسئول الیہ کے خلاف دفعات 9، 8 اور 10 کے تحت فراہم کیا گیا ہے۔

8- احکام تحفظ اور احکام رہائش:- (1) عدالت اطمینان کے طور پر کہ گھریلو تشدد بادی النظری میں ایسے مقام پر ہوا ہے یا ایسے مقام پر ہونے کا امکان ہے تو متضرر شخص کے حق میں حکم تحفظ صادر کر سکے گی اور مسئول الیہ کو ہدایت دے سکے گی کہ۔۔۔۔

(الف) مزید گھریلو تشدد کے کسی بھی فعل کا ارتکاب نہ کرے؛

(ب) متضرر شخص کے ساتھ- اعتراضات کے ساتھ یا بغیر- کسی بھی شکل میں یا طریقہ کار میں بشمول ذاتی، زبانی یا تحریری، الیکٹرانک یا ٹیلی فونک یا متحرک ٹیلی فون کے نظام سے کوئی بھی باہمی رابطہ نہ رکھے؛

(ج) متضرر شخص سے اعتراضات کے ساتھ یا بغیر، دور رہے ؛

(د) متضرر شخص سے ایسے فاصلے پر رہے جیسا کہ عدالت مقدمے کے مخصوص حقائق اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تعین کرے؛

(ہ) کسی بھی پُرتشدد فعل کے لیے یا جس کے پُرتشدد ہونے کا امکان جو متضرر شخص کی زندگی، حرمت یا شہرت کو خطرے میں ڈال سکتا ہو کے لیے اسے GPS ٹریکر، پائل یا کلائی کڑا پہنایا جائے؛ اور

(و) کسی پُرتشدد فعل کی صورت میں اگر متضرر شخص کی زندگی، حرمت یا شہرت خطرے میں ہو تو گھر سے باہر چلا جائے۔

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت حکم میں مزید برآں، یا بصورت دیگر عدالت اطمینان پر کہ گھریلو تشدد ہوا ہے تو کوئی حکم صادر کر سکے گی؛

(الف) مسئول الیہ کو متضرر شخص کے گھر سے بے دخلی پر یا کسی بھی دیگر طریقہ کار میں قبضہ دینے میں پریشان کرنے سے روکنے کے بابت؛

(ب) مسئول الیہ یا اس کے رشتہ داروں کو گھر میں داخل ہونے سے روکنے کی بابت؛

(ج) مسئول الیہ کو متضرر شخص کے لیے محفوظ متبادل رہائش کی یا اگر حالات اس طرح سے تقاضا کریں تو اس کی بابت کرایہ ادا کرنے کی ہدایت دینے کی بابت۔

(3) عدالت کوئی بھی دیگر ہدایت دے سکے گی جو کہ وہ متضرر شخص یا مذکورہ متضرر شخص کے کسی بچے کو محفوظ کرنے اور تحفظ فراہم کرنے کے لیے مناسب سمجھے۔

(4) عدالت گھریلو تشدد کے ارتکاب کی روک تھام کے لیے مسئول الیہ سے ضمانتوں کے ساتھ یا بغیر، مچلکہ تحریر کرنے کا تقاضا کر سکے گی۔

(5) جب کہ ذیلی دفعات (1)، (2) یا (3) کے تحت کوئی حکم دیتے ہوئے، عدالت قریب ترین پولیس اسٹیشن کے افسر انچارج کو ہدایت دیتے ہوئے حکم بھی صادر کر سکے گی کہ

متضرر شخص کو تحفظ دے یا حکم کے نفاذ میں متضرر شخص یا اس کے/اس کی جانب سے درخواست دینے والے شخص کی معاونت کرے۔

(6) جب کہ ذیلی دفعہ (2) کے تحت کوئی حکم دیتے ہوئے عدالت مسئول الیہ پر کرایے کی ادائیگی اور ادائیگیوں سے متعلق ذمہ داریاں عائد کر سکے گی، جو کہ فریقین کی مالیاتی ضروریات اور وسائل سے تعلق رکھتی ہوں۔

(7) عدالت پولیس اسٹیشن کے افسر انچارج کو ہدایت دے سکے گی جس اختیار سماعت میں عدالت رسائی رکھتی ہو کہ حکم تحفظ کے اطلاق میں معاونت کرے۔

(8) عدالت مسئول الیہ کو ہدایت کر سکے گی کہ متضرر شخص کی کسی بھی املاک، قیمتی اشیاء یا دستاویزات کا قبضہ واپس کرے جس کا متضرر شخص مستحق ہو۔

(9) عدالت، تمام مقدمات میں جہاں وہ اس دفعہ کے تحت حکم صادر کرے تو حکم دے گی کہ مذکورہ حکم کی ایک نقل، درخواست کے فریقین کو، پولیس اسٹیشن کے افسر انچارج کو جس اختیار سماعت میں رسائی رکھتی ہو نیز عدالت کے اختیار سماعت کی مقامی حدود کے اندر واقع سروس فراہم کنندہ کو دیں جائیں گی۔

9- مالی امداد:- (1) عدالت، سماعت کے کسی بھی مرحلے پر مسئول الیہ کو ہدایت دیتے ہوئے حکم عارضی دے سکے گی کہ گھریلو تشدد کے نتیجے میں متضرر شخص اور متضرر شخص کے کسی بھی بچے کی جانب سے اٹھائے گئے اخراجات اور برداشت کردہ نقصانات کو پورا کرنے کے لئے مالی امداد ادا کرے اور مذکورہ امداد میں حسب ذیل شامل ہوگی:

لیکن اس تک محدود نہ ہوگی۔

(الف) عدالت کی جانب سے تعین کردہ معاشی استحصال میں مبتلا کرنے کے نتیجے

میں معاوضہ دینا؛

(ب) آمدنی کا نقصان؛

(ج) طبّی خرچ؛

(د) متضرر شخص کے کنٹرول میں کسی بھی جائیداد کو تباہ کر کے، نقصان پہنچا کر یا واگزاشت کروا کر نقصان کا باعث بننا؛

(ہ) متضرر شخص نیز اس کے بچوں کا نان نفقہ اگر کوئی ہو، اس میں فی الوقت نافذ العمل قانون کے تحت نان ونفقہ کے حکم کے تحت یا اس سے مزید برآں حکم شامل ہے؛

(2) ذیلی دفعہ (1) کے تحت مسئول الیہ متضرر شخص کو حکم میں مصرحہ مدت کے اندر منظور کردہ مالی دادرسی کی ادائیگی کرے گا۔

(3) ذیلی دفعہ (2) کے تحت حکم کے مفہوم میں مسئول الیہ کی جانب سے ادائیگی میں ناکامی پر عدالت مسئول الیہ کے آجر یا قرض دار کو یہ ہدایت دے سکتی ہے کہ وہ متضرر شخص کو براہِ راست ادائیگی کرے یا اس کی مزدوری یا تنخواہ یا واجب قرض کا ایک حصہ یا مسئول الیہ کی جمع شدہ رقم سے متضرر شخص کو ادا کیا جائے، جس کی رقم کو مسئول الیہ کی جانب سے قابلِ ادائیگی مالی دادرسی کی جانب سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔

10-تحویلی احکامات:- باوصف اس کے کوئی بھی چیز اس وقت نافذ العمل کسی بھی قانون سے اخذ کی گئی ہو تو عدالت حفاظتی حکم کے لئے درخواست کے کسی بھی مرحلے پر یا اس ایکٹ کے تحت کسی بھی اور دادرسی کے لئے کسی بھی موزوں شخص یا اتھارٹی کو متضرر شخص کی عارضی تحویل دے سکتی ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر متضرر شخص ایک بچہ ہے تب عدالت اسی طرح گارجین و وارڈ ایکٹ 1890ء (نمبر 8 بابت 1890ء) کی بابت ایک مناسب شخص یا سروس فراہم کنندہ

کا تعین کرے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ اگر متضرر شخص ایک بالغ شخص ہے تو تحویل سروس فراہم کنندہ یا کسی دیگر شخص سے بھی شخص کو یا سروس فراہم کنندہ کو متضرر شخص کی مرضی کی مطابقت میں دی جائے گی۔

11-عبوری تحفظ اور رہائشی احکامات کی مدت اور ترمیم:- (1) دفعہ 7 کے تحت عبوری حکم دفعہ 8 کے تحت حکم تحفظ اور دفعہ 10 کے تحت حکم تحویل لاگو رہیں گے تاوقتیکہ متضرر شخص مذکورہ حکم کو منسوخ کرنے کے لئے درخواست نہ دے دے۔

(2) اگر عدالت متضرر شخص یا مسئول الیہ سے درخواست کی وصولی پر کسی بھی مرحلے میں یہ اطمینان رکھتی ہے کہ حالات میں تبدیلی ہوچکی ہے جو تبدیلی ترمیم یا بازطلبی جو اس ایکٹ کے تحت وضع کردہ کسی بھی حکم کے متقاضی ہیں تو وہ وجوہات کو تحریراً قلمبند کرتے ہوئے ایسا حکم جاری کرسکتی ہے جسے وہ موزوں خیال کرے۔

(3) حکم رہائش نافذ رہے گا جب تک کہ عدالت کی جانب سے تبدیل نہ کردیا جائے۔

(4) ذیلی دفعات (1) اور (2) میں شامل کوئی بھی شئے متضرر شخص کو سابقہ حکم کے منسوخ ہونے کے بعد تازہ درخواست وضع کرنے سے مانع نہ ہوگا۔

12-مسئول الیہ کی جانب سے عبوری یا حکم تحفظ کی خلاف ورزی پر تعزیر:

(1) مسئول الیہ کی جانب سے حکم تحفظ یا عبوری حکم یا حکم رہائش یا حکم تحویل کی خلاف ورزی ایک جرم ہوگی جو ایک سال تک سزائے قید اور مع ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا کا مستوجب ہوگا جو کہ متضرر شخص کو ادا کیا جائے گا۔

(2) مجموعہ قانون میں شامل کسی امر کے باوصف اس دفعہ کے تحت جرم قابل دست اندازی، قابل ضمانت اور قابل راضی نامہ ہوگا۔

13-اپیل: (1) عدالت کے حکم سے متاثرہ کوئی بھی شخص دفعہ 12 کے تحت عدالت

سیشنز میں حکم سزا کے جاری کرنے کے تیس ایام کے اندر اپیل داخل کرسکتا ہے اور عدالت سیشنز ساٹھ ایام کے اندر اپیل پر فیصلہ کرے گی۔

(2) عدالت کے حتمی فیصلے سے متاثرہ کوئی بھی شخص عدالت کے حتمی فیصلے یا حکم سے دس ایام کے اندر عدالت سیشنز میں اپیل داخل کرسکتا ہے۔

14-طریقہ کار: (1) اس ایکٹ کے تحت تمام کاروائیاں مجموعہ قانون کے تحت چلائی جائیں گی۔

(2) ذیلی دفعہ (1) میں شامل کسی بھی امر کے باوصف عدالت وجوہات کو قلمبند کرتے ہوئے مجموعہ قانون کے کسی بھی حکم سے دادگری کرے گی اور ایسا طریقہ کار اختیار کرے گی جیسا کہ مقدمے کے حالات میں وہ موزوں خیال کرسکتی ہے۔

حصہ چہارم

کمیٹی تحفظ وافسر تحفظ

15- کمیٹی تحفظ: (1) وزارتِ انسانی حقوق، سرکاری جریدے میں اعلامیہ کے ذریعے، اس ایکٹ کی اغراض کے لئے اس ایکٹ کی منظوری کے تین ماہ کے اندر کمیٹی تحفظ تشکیل دے گی۔

(2) کمیٹی تحفظ، خاندانی تحفظ کے نمائندے، قومی حیثیت خواتین کمیشن کے نمائندے، ایک طبّیب یا ماہر نفسیات یا نفسیاتی وسماجی کارکن، افسر قانون اور ایک پولیس افسر جو انسپکٹر کے عہدے سے کم کا نہ ہو، ترجیحاً خاتون جیسا کہ قواعد میں صراحت کی جاسکتی ہے اور افسر تحفظ جو کمیٹی کے سیکرٹری کے طور پر بھی فرائض انجام دے گا، پر مشتمل ہوگی۔

(3) کمیٹی تحفظ کے کل اراکین کا نصف فورم کی تشکیل کرے گا۔

16۔ کمیٹی تحفظ کے فرائض اور کارہائے منصبی:۔ کمیٹی تحفظ:

(الف) متضرر شخص کو اس ایکٹ کے تحت اس کا/کی حقوق سے فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون اور مداوا اور مدد جو فراہم کی جاسکتی ہے، سے مطلع کرے گی۔

(ب) گھریلو تشدد کی وجہ سے ضروری طبّی علاج کے حصول میں متضرر شخص کی معاونت کرنا۔

(ج) اگر ضروری ہو تو متضرر شخص کی رضامندی سے، محفوظ مقام کی تلاش میں جو کہ متضرر شخص کو قابلِ قبول ہو، میں متضرر شخص کی معاونت کرنا، جس میں کسی بھی رشتہ دار کا گھر یا خاندانی دوست یا دوسری محفوظ جگہ شامل ہوسکتی ہے۔

(د) اس ایکٹ، مجموعہ قانون یا فی الوقت نافذ العمل کسی بھی دیگر قانون کے تحت پٹیشن یا رپورٹ کی تیاری اور دائر کرنے کے لئے، افسر تحفظ کے ذریعے متضرر شخص کی معاونت کرنا۔

(ہ) اپنے حدودِ اختیار کے علاقے میں گھریلو تشدد کے واقعات کا سرکاری ریکارڈ رکھنا۔

(و) سروس فراہم کنندہ کا نام اور رابطہ کی تفصیلات کو برقرار رکھنا، جس سے متضرر شخص مزید مدد اور معاونت جس میں کہ پناہ گاہ شامل ہے، حاصل کرسکتا ہے۔

(ز) ایسے دیگر فرائض کی ادائیگی کرنا جو کمیٹی تحفظ اس ایکٹ یا اس کے تحت وضع کردہ قواعد میں تفویض کرسکتی ہے۔

17۔ کمیٹی تحفظ کے اختیارات، استحقاقات او استثنیات: (1) کمیٹی تحفظ کے ارکان مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ 45 بابت 1860ء) کی دفعہ 21 کے مفہوم میں پبلک سرونٹ متصور ہوں گے۔

(2) کمیٹی تحفظ شہید بینظیر بھٹو مرکز برائے خواتین جو وزارتِ انسانی حقوق کے تابع ہے، میں واقع ہو گی۔

(3) وزارتِ قانون وانصاف، شہید بینظیر بھٹو سینٹر برائے خواتین کے تحت، سیکرٹریٹ نیز ضروری عملہ جیسے سیکرٹریٹ کے کارہائے منصبی کے لیے درکار بجٹ کی اعانت حاصل ہو گی فراہم کرے گی۔

(4) کمیٹی تحفظ کے اراکین کمیٹی کے اجلاسوں میں حاضر ہوں گے، کمیٹی کے اجلاس کے لیے کورم دو تہائی ارکان ہوں گے۔

18-تفویض امور کار واختیارات:۔ کمیٹی تحفظ اپنے کوئی بھی امورِ کار واختیارات اپنے رکن یا ارکان کو تفویض کر سکتی ہے۔

19-افسر تحفظ: (1) وزارتِ انسانی حقوق، سرکاری جریدے میں اعلامیہ کے ذریعے اس ایکٹ کی اغراض کے لیے ایک مرد اور ایک خاتون افسران تحفظ کی ایک ٹیم کو مقرر کر سکتی ہے، اس ایکٹ کی دفعہ 24 کی پیروی میں قواعد کے وضع کیے جانے کے ایک ماہ کے اندر صراحت کردہ طریقہ کار میں افسران تحفظ کا تقرر کیا جائے گا۔

(2) کمیٹی تحفظ کا سیکرٹریٹ افسران تحفظ کا ان کے امورِ کار کے عمل میں ان کی معاونت کرے گا۔

(3) افسرانِ تحفظ تحقیقاتی عمل کا حصہ نہ ہوں گے مگر اس ایکٹ کے احکامات کی مطابقت میں متضرر اشخاص کی معانت کریں گے۔

20-افسر تحفظ کے فرائض: **افسر تحفظ کے یہ فرائض ہوں گے:۔**

(الف) کہ دفعہ 9 کے تحت حکم تحفظ کے حصول کے لیے درخواست دائر کرنا، اگر متضرر

شخص اس طرح کرنے کا خواہش مند ہو۔

(ب) کمیٹی تحفظ کو گھریلو واقع رپورٹ کرنا، اس صورت میں اور اس طریقہ کار کے مطابق جیسا کہ صراحت کیا جا سکتا ہے، گھریلو تشدد کی شکایت موصول ہونے پر اور اس کی نقول قومی کمیشن برائے حیثیت خواتین کو بھیجنا۔

(ج) ایسی شکل میں اور ایسے طریقہ کار پر درخواست وضع کرنا جیسا کہ عدالت صراحت کرے، اگر متضرر شخص اس طرح خواہش مند ہو، حکم تحفظ کے اجراء کے لیے دادرسی کا دعویٰ کرنا۔

(د) اس بات کو یقینی بنانا کہ متضرر شخص کو قانونی مدد فراہم کر دی گئی ہے۔

(ہ) تمام سروس فراہم کنندہ کی فہرست برقرار رکھنا جو عدالت کے حدود اختیار کے مقامی علاقے میں قانونی مدد یا مشاورت پناہ گاہیں اور طبّی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

(و) محفوظ رہائش کی جگہ کو دستیاب بنانا، اگر متضرر شخص کو اس طرح مطلوب ہو اور متضرر شخص کے اس طرح پناہ گاہ میں اقامت پذیر ہونے کی رپورٹ کمیٹی تحفظ کو بھیجے گی۔

(ز) متضرر شخص کا طبّی معائنہ کروانا، اگر شخص کو جسمانی زخم آئے ہوں اور طبّی رپورٹ کی نقل کمیٹی تحفظ کو بھیجے گا۔

(ح) اس بات کو یقینی بنانا کہ دفعہ 10 کے تحت مالی امداد کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے اور صراحت کردہ طریقہ کار کی مطابقت میں اس کی تعمیل کی گئی ہے۔

اور (ط) ایسے دیگر فرائض ادا کرنا جو اسے تفویض کیے جا سکتے ہیں۔

21- سروس فراہم کنندہ:۔ (1) اس ایکٹ کے تحت کسی بھی کاروائی میں، عدالت یا کمیٹی تحفظ سروس فراہم کنندہ کی خدمات حاصل کر سکتی ہے۔

(3) سروس فراہم کنندہ کو حسبِ ذیل اختیارات ہوں گے:۔

(الف) صراحت کردہ فارم پر گھریلو واقعات کو ریکارڈ میں لائے اگر متضرر شخص اس طرح خواہش مند ہو، اور اس کی نقل افسر تحفظ جس کا اس علاقے میں حدود اختیار ہو جہاں کہ یہ گھریلو تشدد وقوع پذیر ہوا کو بھیجے۔

(ب) متضرر شخص کا طبّی معائنہ کروائے اور طبّی رپورٹ کی نقل افسر تحفظ جس کے حدود اختیار میں گھریلو تشدد واقع ہوا کو بھیجے گا۔

(ج) اس بات کو یقینی بنائے کہ متضرر شخص کو محفوظ جگہ رہائش فراہم کر دی گئی ہے، اگر اس مرد یا خاتون کو اس طرح مطلوب ہو اور متضرر شخص کے محفوظ مقام پر رہائش پذیر ہونے کی رپورٹ کمیٹی تحفظ کو جگہ کی حدود مقامی کے اندر جہاں گھریلو تشدد واقع ہوا کو بھیجے گا، اور

(د) متضرر شخص کو کوئی بھی مدد یا معاونت اور وہ مرد یا عورت کو اس طرح درکار ہو فراہم کرے گا۔

22-نیک نیتی سے کیے گئے افعال کا تحفظ:۔ اس ایکٹ کے اغراض کے تحت اور نیک نیتی سے کیے گئے عوامل پر کسی بھی حفاظتی کمیٹی، حفاظتی افسر یا خدمت فراہم کرنے والوں کے خلاف کوئی بھی مقدمہ، استغاثہ یا دیگر قانونی کاروائی نہیں کی جائے گی۔

حصہ پنجم

متفرقات

23-یہ ایکٹ کسی دیگر قانون کی تقلیل نہیں کرے گا:۔ اس ایکٹ کے احکامات، فی الوقت نافذ العمل کسی بھی قانون میں اضافہ کریں گے، اور اس کی تقلیل نہیں کریں گے۔

24-قواعد وضع کرنے کا اختیار:۔ اس ایکٹ کی اغراض کی بجا آوری کے لیے وزارت

انسانی حقوق سرکاری جریدے میں اعلامیہ کے ذریعے قواعد وضع کر سکے گی۔

25-ازالہ مشکلات:۔ اگر اس ایکٹ کے کسی بھی حکم کو مؤثر بنانے میں کوئی مشکل درپیش ہو تو وفاقی حکومت ازالہ مشکلات کے لیے وضع کر سکے گی۔

بیان اغراضِ وجوہ

دستور پاکستان اس میں بیان کردہ بنیادی حقوق کے ذریعے ریاست پاکستان کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو زندگی اور آزادی سے غیر قانونی طور پر محروم کرنے سے تحفظ فراہم کرے۔ ہر شخص کی عظمت وحمیت کو برقرار رکھا جائے گا۔ یہ بھی قرار دیا ہے کہ تمام شہریوں کے حقوق قانون کی نظر میں برابر ہیں اور جنس کی بنیاد پر کسی بھی امتیاز کی ممانعت کی گئی ہے۔ زندگی، عزت وقار اور عدم امتیاز کے ان حقوق کی گھریلو تشدد کے ذریعے خلاف ورزی کی جاتی ہے جو کہ وسیع نظام پر محیط ہیں اور جو عمر یا معاشی ومعاشرتی مرتبے سے بِلا لحاظ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے توثیق شدہ کنونشنز کے تحت تمام ریاستوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ خواتین کی گھریلوں زندگی کے تحفظ کے لیے قانون سازی کریں، حکومت پاکستان خصوصاً خواتین کے خلاف امتیاز کی تمام اشکال (سی ای ڈی اے ڈبلیو) کے کنونشن کے تحت قانون سازی کے اقدامات کر رہی ہے۔ اس ایکٹ کیے ذریعے اس اغراض کے لیے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے علاقائی حدود میں گھریلو تشدد کا شکار ہونے والوں کی زندگی کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کے لیے اور ان کی دادرسی کرنے اور ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے قانونی اور ادارہ جاتی فریم ورک تجویز کیا گیا ہے۔ تمام صوبائی سطحوں پر علاوہ ازیں خیبر پختونخواہ کے ایسی قانون سازی کی گئی ہے۔

(۲) بل کا منشاء مذکورہ بالا مقاصد کا حصول ہے۔